احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جنوری 2023ء

علم میں درستگی اور پختگی کیسے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی، فکری اور اصلاحی خصوصی خطاب

اعلیٰ انسانی کردار

تشکیل کے ضابطے

حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ

حیات و سیرت کے نمایاں گوشے

تحقیق اور فنِ تحریر

بنیادی اصول

شرفِ انسانیت کے قرآنی امتیازات

ارتکازِ دولت

معاشی بحران کا سبب

نظامِ تعلیم

زوال پذیر اخلاقی اقدار

زوالِ امت کا بنیادی سبب: اسلاف کے علمی آثار و نقوش سے بے اعتنائی

سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ کے ذکرِ جمیل پر مشتمل عظیم ذخیرۂ علم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کے سینکڑوں خطابات اور تصانیف سے استفادہ کیجئے

ایسا انسائیکلوپیڈیا جو دلوں کی ویران بستیاں آباد کرنے کے ساتھ ساتھ
ذہنِ جدید میں پیدا ہونے والے اِشکالات کے مدلّل جواب دیتا ہے
اور اِصلاحِ اَحوال و اِحیائے اُمت کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 37 / شمارہ: 1 / ۱۴۴۴ھ جمادی الثانی / جنوری 2023ء

حسن ترتیب

اداریہ: ارتکازِ دولت معاشی بحران کی بڑی وجہ ہے	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: علم میں درستگی اور پختگی کیسے؟	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	5
الفقہ: حقِ حضانت/ ڈراپ شپنگ/ یوٹیوب کلک آمدنی؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	14
قرآن اور اعلیٰ انسانی کردار کی تشکیل کے ضابطے	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	18
شرفِ انسانیت کے قرآنی امتیازات	محمد شفقت اللہ قادری	24
حضرت ابوبکر صدیقؓ: حیات و سیرت کے نمایاں گوشے	ڈاکٹر شفاقت علی البغدادی	29
زوالِ امت کا سبب: اسلاف کے علمی آثار سے بے اعتنائی۔ ایک فکر انگیز تحریر		34
نظامِ تعلیم میں زوال پذیر اخلاقی اقدار	حیدر مصباحی	38
تحقیق اور فنِ تحقیق کے بنیادی اصول	نوراللہ صدیقی	42
شیخ الاسلام کی تصنیف ''مشاجراتِ صحابہؓ'' کا تعارف	محمد فاروق رانا	46
ضروری ہدایات برائے اندرون و بیرون ملک تنظیمات	ناظم اعلیٰ	47

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/ رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 60 روپے — سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

میرے رب! کُل کا آسرا تو ہے
سب ہیں مخلوق، اک خدا تو ہے

گلستانوں کو تو نے مہکایا
اور صحراؤں کی بقا تو ہے

تو نے روشن کیا ستاروں کو
مہ و خورشید کی ضیا تو ہے

وحدہٗ لاشریک ذات تری
حَـــیّ و قَیّـــوم اے خدا تو ہے

تو ہی رازق ہے کل جہانوں کا
ساری خلقت کو پالتا تو ہے

سارے نبیوں نے دی یہی تعلیم
لائقِ سجدہ کبریا تو ہے

ہر کڑے وقت میں مرے معبود
اپنے عابدؔ کا آسرا تو ہے

﴿ڈاکٹر خواجہ عابد نظامیؔ﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

دل و نظر میں بسی آپ کی محبت ہے
یہی حضور، مری دو جہاں میں دولت ہے

گُلوں میں نکہتیں ہیں آپ کے پسینے سے
تبسم آپ کا وجہِ بہارِ جنت ہے

سکوں نواز، سکینت فروز و لطف آثار
''حضورؐ آپ کا اُسوہ جہانِ رحمت ہے''

ہے آشکار بہ تفسیرِ سورۂ کوثر
حضور خیرِ کثیر آپ کو ودیعت ہے

گواہ اس پہ ہیں جبریل و مسجدِ اقصیٰ
صفِ رُسُل کی بجا آپ کو امامت ہے

خدا کے حُسن کا جلوہ نہ تک سکا کوئی
حضورؐ آپ کے حصے میں یہ سعادت ہے

کبھی حضورؐ کے ہاتھوں سے میں بھی پاؤں رِدا
حضورؐ دل میں پلی ایک ہی یہ حسرت ہے

یہ آرزو ہے اسے آپ پر نثار کروں
یہ جاں بھی میری حضورؐ آپ کی امانت ہے

ہو عاصیوں پہ نگاہِ کرم بروزِ جزا
حضورؐ! آپ کے سر سہرۂ شفاعت ہے

گدا ہے آپ کی عِترت کے در کا ہمذالیؔ
شہوں سے بڑھ کے زمانے میں اس کی عزت ہے

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمذالیؔ﴾

اداریہ

ارتکازِ دولت معاشی بحران کی بڑی وجہ ہے

معیشت کا انسانی زندگی اور اس سے متعلقہ ہر شعبہ کے ساتھ ایک ناگزیر تعلق ہے۔ کسی بھی ملک، معاشرہ اور اس کے عوام کی باوقار نشوونما اور قیام و استحکام اور داخلی و خارجی سلامتی میں معیشت کا کردار بنیادی ہے۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں رہنے دیا اور ہر معاملے میں کامل و اکمل راہ نمائی اور بنیادی اصول مہیا کئے ہیں۔ اقتصادیات اسلام کے موضوع پر گفتگو آگے بڑھانے سے قبل موجودہ معاشی حالات کا طائرانہ جائزہ لینا بھی لازم ہے۔ آج پاکستان اپنی تاریخ کے بدترین معاشی بحران سے گزر رہا ہے۔ معاشی عدم مساوات اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔ پاکستان کے بچے بچے کا بال بال قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ بانیٔ پاکستان نے لاتعداد مواقع پر فرمایا کہ ہمیں کسی سے راہ نمائی کی ضرورت نہیں کتابِ ہدایت (قرآن) نے ہر معاملے میں ہمیں راہ نمائی مہیا کی ہے مگر افسوس کہ زندگی کے ہر شعبے کی طرح معیشت کے باب میں بھی کتاب ہدایت سے راہ نمائی لینے کی بجائے اغیار کے معاشی نظام پر اکتفا کیا گیا اور نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔ پاکستان اپنے جی ڈی پی کے 100 فیصد اثاثوں کے مساوی بیرونی قرض لے چکا ہے اور ڈیفالٹ کر جانے کی باتیں زبان زد عام ہیں۔ پاکستان کے قیمتی اثاثے اور تاریخی عمارات بھی رہن پڑی ہیں اور اب بیرونِ ملک بیچ جانے والے اثاثے بیچنے کے لئے صلاح و مشورہ جاری ہیں۔ پاکستان کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ دنیا کا واحد ملک ہے جو قرضہ اور سود ادا کرنے کے لئے مزید سود پر قرضے لے رہا ہے۔ پاکستان کے قرضوں کی دلدل میں اتر جانے کے بعد مہنگائی اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہے اور عام آدمی کے لئے مہنگی خوراک خریدنا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ آئندہ سالوں میں ہونے والی زرعی و صنعتی پیداوار پر بھی ہم ادھار کھائے بیٹھے ہیں، جسم اور جان کا رشتہ قائم رکھنا واقعتاً جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

فی الوقت معیشت فقط سیاسی موضوعِ بحث نہیں ہے۔ اس سے دینی مذہبی، سماجی و معاشرتی، ثقافتی زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جوں جوں پاکستان قرضوں کی دلدل میں اتر رہا ہے، آزاد ملک میں رہتے ہوئے اُسے ایسی پابندیاں قبول کرنا پڑ رہی ہیں جو اس کے اقتدارِ اعلیٰ اور نظریہ پاکستان کے خلاف ہیں۔ اغیار پاکستان کی نسل نو کو پڑھائے جانے والے نصاب میں بھی مرضی کی تبدیلیاں چاہتے ہیں۔ نئی نسل کو اسلامی اسلاف اور علمی اثاثوں سے بیگانہ کرنے کی کوششیں اپنے عروج پر ہیں۔ اسی طرح مروجہ اسلامی اقدار و روایات پر بھی آئے روز نظر ثانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہی نہیں ایمان اور عقائد کی بنیادی شرائط پر بھی ڈکٹیشنز آ رہی ہیں اور اگر کوئی اس ضمن میں الوہی قوانین و ہدایات کا حوالہ دے تو اس پر انتہاپسندی اور دہشت گردی کے ٹھپے لگنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کبھی گرے لسٹ اور کبھی بلیک لسٹ میں شامل کرنے کی دھمکیاں ملتی ہیں۔ بیرونی فیکٹرز کے علاوہ معیشت کی تباہی اور بربادی کے کچھ اندرونی فیکٹرز بھی ہیں۔ یہ اندرونی فیکٹرز نہ ہوتے تو شاید بیرونی فیکٹرز فیصلہ کن اثرات مرتب نہ کر پاتے۔ اندرونی فیکٹرز میں سیاسی انارکی، ناقص نظام انتخاب، نااہلی، ابن الوقتی، اقربا پروری، ڈکٹیشن، کرپشن، احتساب کا کمزور نظام اور حب الوطنی کے تقاضوں کے برعکس معاشی پالیسیوں کا اجرا سرفہرست ہیں۔

بحیثیت مسلمان یہ ہمارا ایمان اور عقیدہ ہے کہ اسلام قیامت تک کے لئے ضابطۂ حیات ہے اور اسلامی تعلیمات میں انسان کی معاشی، سماجی اور معاشرتی ضروریات کا تحفظ بھی کیا گیا ہے۔ اسلام نسلِ انسانی کے ہر شعبہ حیات کے لئے واضح، جامع اور مکمل ہدایات کا ایک قابلِ عمل منشور پیش کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے دنیا کے کسی بھی گوشہ میں نافذ کیا جا سکتا ہے اور لازماً مثبت نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک، خلفائے راشدین اور ان کے بعد کے اکثر مسلم حکمرانوں کی تاریخ سے ملتا ہے۔ انسانی زندگی کے تین بڑے شعبے عقائد، عبادات اور معاملات ہیں جن میں سے معاملات

کا شعبہ بڑی وسعت اور اہمیت کا حامل ہے۔ معاملات کا انسانی و ایمانی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ معاملات کے باب میں معیشت اور معاشی نظام سر فہرست ہے۔ تاریخ اقوامِ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قوموں کے عروج وزوال، خوشحالی وبدحالی، امن وجنگ اور کامیابی وناکامی کی بنیادی وجوہات میں معاشیات واقتصادیات کے استحکام وعدم استحکام کا بہت بڑا دخل رہا ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو اللہ رب العزت نے علم و تحقیق کی نعمتوں سے وافر نوازا ہے۔ آپ نے اسلامی انسانی زندگی کے سیکڑوں موضوعات پر ایک ہزار سے زائد کتب تحریر فرمائیں۔ ان موضوعات میں اسلامی معیشت آپ کا ایک اہم موضوع بحث رہا ہے۔ اس باب میں آپ نے متعدد فکر انگیز کتب تحریر فرمائی ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ’’اقتصادیاتِ اسلام (تشکیلِ جدید)‘‘ میں اسلامی معاشیات کا مفہوم، بنیادی اصول اور فلاسفی کو بڑے سادہ اور دل پذیر انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: اسلامی معاشیات میں معاشی سرگرمیوں کا مقصد بے انصافی کا خاتمہ ہے۔ انسان کا مقصدِ زندگی یہ نہیں ہے کہ وہ ذاتی خواہشات کی تسکین ہی میں مصروف رہے بلکہ اس پر معاشرہ کی طرف سے کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں جن کو ادا کرنا ضروری ہے۔ دنیا و آخرت میں کامیابی اسلامی معاشیات کا مقصد ہے۔ زمینی وسائل کا صحیح تصرف ہی انفرادی اور اجتماعی فلاح کا باعث بنتا ہے۔ جب انسان ارتکازِ دولت کی ہوس و شہوت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ سوسائٹی کے پورے نظم کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ اسلام نے دولت کے ارتکاز کو بہت بڑی برائی قرار دیا ہے۔ ارتکازِ دولت سے معاشرہ کے غالب افراد کی حق تلفی ہوتی ہے اور سوسائٹی کا امن تہ وبالا ہو کر رہ جاتا ہے۔ آج پاکستان کی تباہ حال معیشت کی ایک بڑی وجہ مٹھی بھر خاندانوں کا ارب، کھرب پتی ہونا ہے اور یہ مٹھی بھر خاندان پاکستان سمیت دنیا بھر میں اربوں، کھربوں روپے کے اثاثے جمع کر چکے ہیں۔ دولت کے اس ارتکاز کی وجہ سے سوسائٹی کا غالب طبقہ مفلسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ اسلام کا بنیادی، معاشی اصول حرکت ہے یعنی جب دولت حرکت میں ہو گی تو اس سے معیشت کا پہیہ چلے گا۔ غربت کم ہو گی، اقتصادی اعشاریے بہتر رہیں گے مگر جب یہی دولت چند ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ جائے گی تو معیشت کا پہیہ جام ہو کر رہ جائے گا اسی لئے اسلام کے اقتصادی، معاشی نظام میں ارتکازِ دولت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام کا نظام زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کی بنیادی روح ارتکازِ دولت کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔

قرآن مجید میں بنیادی معاشی اصطلاحات بڑی صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اللہ رب العزت نے سورۃ الزخرف میں فرمایا: ’’ہم ان کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسباب) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں۔‘‘ قرآن مجید کی آیت مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے کہ دولت کا حصول دوسروں کو اذیت دینے کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اپنے وسائل کی بنیاد پر کسی کمزور کا مذاق اڑا سکتا ہے اور اللہ رب العزت نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ زمین پر چلنے پھرنے والا کوئی جاندار نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو یعنی اللہ ہی ہے جو اسبابِ معیشت کو تقسیم کرتا ہے اور اللہ ہی ہے جو کسی کو آسودگی اور کسی کو مالی آزمائش سے دوچار کرتا ہے تاہم صاحبِ حیثیت افراد پر لازم ہے کہ وہ ضرورت سے زائد اسباب ضرورت مندوں میں تقسیم کریں اور اگر افراد ایسا نہیں کرتے تو یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ قومی وسائل کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنائے اور وسائل کی تقسیم میں مستحقین اور پسماندہ علاقوں کو فوقیت دی جائے۔ ہمارے قومی نظامِ معیشت میں اسلامی اصول وضوابط کی بجائے صوابدیدی اختیارات بروئے کار آتے ہیں۔ پسند اور ناپسند کی بنا پر وسائل تقسیم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں کچھ صوبے، اضلاع اور علاقے ترقی یافتہ اور خوشحال نظر آتے ہیں اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے کچھ صوبے، اضلاع اور علاقے بدحالی کی تصویر بنے نظر آتے ہیں۔ معاشی مساوات اسلامی معیشت کی روح ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ’’اقتصادیاتِ اسلام (تشکیلِ جدید)‘‘ کا ہمارے معاشی ماہرین اور معیشت کے طالب علم ضرور مطالعہ کریں انہیں معاشیات کی اخلاقی حیثیت سے روشناس ہونے میں مدد ملے گی اور وہ پالیسی سازی کے ضمن میں بہتر فیصلے کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

(چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی)

المنہاج القرآن

علم میں درستگی اور پختگی کیسے؟

علم تعلُّم سے اور فقہ تفقُّہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے

محض مطالعۂ کتب سے حصولِ علم ممکن نہیں

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی، فکری اور اصلاحی خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین ...... معاون: محبوب حسین

انسانی زندگی کے جملہ امور خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو، معاملات سے ہو یا علوم و فنون سے ہو، ان سب امور کو بجالانے کے کچھ آداب و طرق ہوتے ہیں جن کو ملحوظ خاطر رکھے بغیر وہ کام صحیح نہیں ہوتے۔ مثلاً: نماز اللہ کی عبادت ہے، اس کی کچھ شرائط، فرائض، واجبات اور آداب ہیں۔ جس وقت تک نماز کی شرائط، فرائض اور واجبات کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا، یہ عبادات رائیگاں جائیں گی۔ یہی اصول تمام اعمال پر وارد ہوتا ہے۔ تحصیلِ علم پر بھی یہی اصول وارد ہوتا ہے اور یہ اصول ''تعلُّم'' ہے۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باب العلم قبل القول والعمل میں آقا ﷺ کی ایک حدیث کا حصہ: إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ درج فرمایا ہے۔ یہ مکمل حدیث اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ سے مروی ہے کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما العلم بالتعلم والفقه بالتفقه۔

''علم صرف تعلُّم سے اور فقہ؛ تفقہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔'' (المعجم الکبیر، الرقم: ۹۲۹)

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان عالیشان سے معلوم ہوا کہ وہ علم معتبر نہیں جو تعلم کے بغیر ہو۔ علم اپنے آپ کتابیں پڑھ کر یا مطالعہ کر کے حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ علم جس میں ثقاہت و اعتماد ہو، جو صحیح، ثقہ اور پختہ ہو اور جس علم کو مرجعِ عالم بنایا جا سکے یعنی اس کے فتویٰ اور ترجیح و تشریح پر اعتماد کیا جا سکے، ایسا معتمد علم؛ تعلُّم و تفقہ کے مرحلے سے گزرے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

تعلُّم ایک Procedure (کئی عوامل کا مجموعہ) ہے۔

علم کا تعلق اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے حصول اور معرفتِ دین سے ہے تو اس کی غرض و غایت اور نیت بھی خالصتاً لوجہ اللہ (مکمل طور پر اللہ کی رضا کی خاطر) ہونی چاہیے اور اگر اس کے پیچھے دنیاوی اغراض و مقاصد یا دنیا کی لالچ و طمع ہو، امراء سے مال بٹورنا ہو، سلاطین اور بادشاہوں کے دربار میں قرب حاصل کرنا ہو، دوسرے علماء پر تفوق و برتری ثابت کرنے کے لئے ہو، اپنا مرتبہ و مقام بنانے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہو، تکبر و رعونت کا سبب بنے اور حصولِ عزت و جاہ و منصب کے لئے ہو تو یہ علم جو آخرت کے لئے نفع مند تھا، وہ جہنم میں جانے کا باعث بن جائے گا اور اس علم میں فسادات، خرابیاں اور ہلاکتیں ہوں گی۔

صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ کے مطابق جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور خیر کی طرف دعوت دیتا ہے تو دعوت قبول کر کے خیر پر عمل کرنے والے ہر شخص کو اس نیک عمل کا اجر ملتا ہے اور

☆ خطاب نمبر: Fu-30، تاریخ: 28-05-2020، حلقات التربیہ

https://www.minhaj.info/

جب تک یہ نیک اعمال ہوتے رہیں گے، دعوت دینے والوں کو بھی اجر و ثواب ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ اسی طرح اگر ایک شخص کے ذریعے علم، عقیدے، اخلاق اور عمل میں بگاڑ یا گمراہی پھیل جائے تو اس کو اپنے عمل کا گناہ تو ملے گا مگر اس سے متاثر ہو کر جتنے لوگ اس گمراہی میں جائیں گے تو ان سب کا گناہ اس گمراہی پھیلانے والے شخص کو بھی ملے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہو گی۔

گویا جس طرح علمِ نافع صدقہ جاریہ ہوتا ہے، اسی طرح علمِ غیر نافع یا برا علم عذابِ جاریہ ہوتا ہے۔

آدابِ تَعَلُّم

امام غزالی، امام نووی اور دیگر ائمہ نے اپنی کتب میں معلم، تعلیم اور تعلم کے آداب پر ابواب قائم کیے ہیں۔ ذیل میں ان ائمہ کی کتب سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے تعلم کے حوالے سے چند بنیادی نکات درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) معلم اپنے علم و فن میں متخصّص ہو

امام نووی فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص سے علم حاصل نہ کیا جائے جس کی اہلیت علم میں کامل نہ ہو چکی ہو اور جس کی شخصیت میں دیانت، دینداری، دین پر عمل، نیکی، تقویٰ، پرہیزگاری، حلم، خوش خلقی، عبادت گزاری، زہد، ورع، اوامر و نواہی کی پابندی، ظاہری و باطنی آداب و اخلاق اور اچھے خصائل پیدا نہ ہو چکے ہوں۔ (النووی، المجموع شرح المهذب، ۱:۳۶)

یعنی استاد ایسا ہو جو تعلم اور اخلاق و آداب کے تمام مراحل خود طے کر چکا ہو اور اس کے اندر مہارتِ تامہ پیدا ہو گئی ہو۔ جس سے علم حاصل کرنا ہے، ضروری ہے کہ اسے علم دین اور قرآن و سنت میں فہم کامل ہو اور معرفت و گہرائی حاصل ہو۔ اگر وہ خود علم میں کامل نہیں ہے تو اس سے علم حاصل نہ کیا جائے۔

مثلاً: اگر کسی سے تفسیر کا علم حاصل کرنا ہے تو وہ اصولِ تفسیر اور علوم التفسیر پر ماہر ہو۔۔۔ اگر حدیث کا علم حاصل کرنا ہے تو اصولِ حدیث، علوم الحدیث، ناسخ و منسوخ اور اقسام الحدیث پر گہری نظر رکھتا ہو۔۔۔ اگر فقہ لینی ہے تو اصول فقہ اور ادلّہ اربعہ پر اسے مہارتِ تامہ ہو۔۔۔ الغرض جو علم و فن کسی بھی استاد سے لینا ہے تو پہلے اس بات کو یقینی بنالیں کہ اس استاد کا مقام و مرتبہ اس علم و فن میں مسلم ہے اور اس کے اندر پختگی، ایقان، تمکن اور مضبوطی موجود ہے، پھر اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کریں۔

ہر شخص ہر مضمون پڑھانے کا اہل نہیں ہوتا۔ بد قسمتی سے ہم نے دین کو مذاق بنا لیا ہے۔ ہم کیمسٹری کے استاد سے فزکس نہیں پڑھتے، سرجری والا ڈاکٹر؛ میڈیکل یعنی ادویات کے متعلق نہیں پڑھاتا، زوالوجی کا استاد، Botany نہیں پڑھاتا۔ اسی طرح کمپیوٹر سائنسز، مینجمنٹ سائنسز، سپیس سائنسز، ڈپلومیسی، سوشیالوجی، سائیکالوجی الغرض جس فیلڈ میں چلے جائیں ہر مضمون کا الگ الگ ماہر ہوتا ہے جو اس مضمون کو پڑھاتا ہے اور اس مضمون میں اسے مہارت حاصل ہوتی ہے۔ ہم دنیاوی علوم میں خصوصی مضمون خصوصی ٹیچر سے ہی پڑھتے ہیں اور اس مضمون کو کسی ماہر استاد سے پڑھے بغیر اس مضمون میں مہارت حاصل نہیں کر سکتے۔

(۲) کیا علم کا حصول محض مطالعہ کتب سے ممکن ہے؟

صرف کتابیں پڑھ کر ہمیں کوئی ڈگری دیتا ہے اور نہ ہمیں کوئی اس مضمون کا Specialist مانتا ہے۔ اگر خالی کتابوں کا علم معتبر ہو تو میڈیکل کالج بند کر دیے جائیں کیونکہ ہر مضمون کی کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ ہم خود پڑھ لیں اور ڈاکٹر بن کر کلینک کھول لیں۔ انجینئرنگ و ٹیکنالوجی اور دیگر علوم کے کالجز اور یونیورسٹیاں بند کر دی جائیں کیونکہ ہر مضمون پر لاکھوں کتب، ہزاروں لائبریریاں اور آن لائن لائبریریاں موجود ہیں تو پھر کیوں نہ کمپیوٹر کھول کر دنیا بھر کی کتب پڑھ کر ڈگری حاصل

https://www.minhaj.info/

کر لی جائے۔ کوئی ایک محکمہ تو دنیا میں ہو جو ہمیں صرف کتابیں پڑھنے پر ڈگریاں دیتا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ہم سکول و کالج کیوں جاتے ہیں؟ سولہ سال تعلیم پر لاکھوں روپے کیوں خرچ کرتے ہیں؟ درحقیقت کتابیں پڑھنے کے لیے بھی ایک رہنما اور استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تحقیق و تخریج اور لکھنے کا ہنر بھی گائیڈ اور استاد ہی سکھاتا ہے جیسا کہ ایم فل اور Ph.D (پی ایچ ڈی) لیول پر ایک گائیڈ ہوتا ہے جو ہمیں تحقیق کرنا اور کتابوں کے اسالیب سے متعارف کرواتا ہے کہ کتاب کو کس طرح پڑھنا اور کس طرح اس سے اخذ کرنا ہے؟ کس طرح theme (بنیادی خیال) بنانا ہے؟ کس طرح Outline (خاکہ) بنانی ہے؟ کس طرح thesis تیار کرنا اور اسے Establish کرنا ہے؟ اس سے نتائج کس طرح اخذ کرنا ہیں؟ الغرض کوئی بھی چیز استاد کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتی۔

دنیاوی علوم تو ہم استاد کے بغیر نہیں سیکھتے مگر دوسری طرف دینی علوم کے حوالے سے ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ دینی علوم صرف سوشل میڈیا اور کمپیوٹر سے کسی استاد اور شیخ کے بغیر حاصل کرنے کے خواہاں ہیں اور حاصل کرتے ہیں۔ ہر بندہ؛ عالم، داعی، استاد، مبلغ، محدث، مفسر اور فقیہ ہے۔ اتنا بڑا ظلم تاریخ میں دنیا کے کسی علم کی کسی بھی شاخ کے ساتھ نہیں ہوا تھا جو ظلم علمِ دین کے ساتھ ہو رہا ہے۔

دنیاوی تعلیم کے لیے بچپن سے ہم اپنے بچے کو پلے گروپ اور نرسری سے تعلیم کا process (سلسلہ) شروع کرواتے ہیں۔ اسے استاد کتابیں پڑھاتے اور سمجھاتے ہیں پھر سولہ سالوں میں یہ سلسلۂ تعلیم مکمل ہوتا ہے۔ ہم کبھی براہِ راست خود سے پڑھ کر دنیاوی علوم بھی حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ سمجھ میں آتے ہیں۔ یہی اصول ہمیں حصولِ علمِ دین پر بھی لاگو کرنا ہوگا۔

تعلّم کی اسی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر ہی امام بخاریؒ نے اِنَّمَا العِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ کے الفاظِ حدیث کو باب کے عنوان میں بیان فرمایا ہے کہ علم سیکھنے اور اساتذہ سے اکتسابِ فیض سے آتا ہے۔ وہ ہمیں ہر علم کی ابجد سے شروع کرواتے ہیں اور ایک طویل عرصے تک محنت و مشقت کے بعد اس میں ماہر بناتے ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی کرتا چلوں کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ حصولِ علمِ دین بغیر استاد کے ناممکن ہے، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دین پر عام مسلمان کا کوئی حق نہیں۔ یاد رکھیں! نصیحت، اصلاحِ نفس، اصلاحِ معاشرہ، اصلاحِ اخلاق اور اوامر و نواہی کی آگاہی کے باب میں دین ہر شخص کے لیے ہے کہ وہ جانے کہ نیکی اور بدی میں فرق کیسے جاننا ہے۔۔۔؟ فرائض کو کیسے ادا کرنا ہے۔۔۔؟ حرام کو کیسے چھوڑنا ہے۔۔۔؟ والدین کی خدمت، بڑے کی عزت، چھوٹے پر شفقت، خوش خلقی، حسنِ معاشرت اور دوسروں سے حسن سلوک کیسے کرنا ہے۔۔۔؟ یہ وہ سادہ چیزیں ہیں جو کتابوں سے سیکھی جاسکتی ہیں اور ایک عام آدمی بھی ہمیں سکھا سکتا ہے۔ مگر اس موقع پر جس علم کی بات میں کر رہا ہوں، اس سے مراد وہ فن ہے جس سے ایسا سکالر، محدث، مفسر، فقیہ، مفتی، محقق اور عالم بنتا ہے جس سے ہم کسی Subject (مضمون) پر کتب پڑھ سکتے ہیں اور پھر یہی استاد، پروفیسر، ڈاکٹر، SPECIALIST اور مضمون کا ماہر لوگوں کا رہنما بنتا ہے اور لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

تَعَلُّم باب تَفَعُّل پر ہے اس میں تدرُّج بھی پایا جاتا ہے یعنی Step by Step درجہ بہ درجہ اوپر جانا۔ پہلے ایک فن، پھر دوسرا فن، پھر تیسرا فن، ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب اور اسی طرح پہلے متن اور پھر اس کی شروح وغیرہ پڑھنا۔ دینی علوم و فنون پر اساتذہ کے بغیر مہارت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر یہ علم اساتذہ کے بغیر ہوگا تو گمراہی کا باعث بنے گا۔ دنیاوی علم اساتذہ کے بغیر حاصل کیا جائے تو اس سے گمراہی نہیں ہوتی اور نہ اس ان سے آخرت خراب ہوتی ہے۔ لیکن علمِ دین چونکہ ہدایت و ضلالت سے متعلق ہے۔ اس لئے اس کی شرائط اور قواعد بیان کئے گئے ہیں اور تعلّم اس کے لیے سب سے بڑا اصول اور شرط ہے۔

(۳) علمِ دین کس سے حاصل کریں؟

آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ

سیکون فی آخر امتی اناس یحدثونکم مالم تسمعوا انتم ولا آباء کم فایاکم وایاھم۔

یعنی آخری زمانے میں میری امت میں ایسے لوگ آئیں گے جو تمہیں دین کا علم پہنچائیں گے اور تمہارے آگے علم روایت کریں گے، علم بیان کریں گے اور ایسی باتیں تم سے کہیں گے جو تم نے کبھی سنی ہوں گی اور نہ ہی تمہارے آباؤ اجداد نے سنی ہوں گی۔ ان سے بچنا۔ (مسلم، الصحیح، مقدمہ، ۱:۱۲، رقم:۶)

آقا ﷺ اپنے اس فرمان میں اس رشتۂ علم کی ایک سند کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ جن کا علم اکابر کی نسلوں اور ان کے قرون سے منتقل نہیں ہوا ہوگا، ان سے علم حاصل نہ کرنا۔ اس لیے کہ یہ لوگ اپنی طرف سے، اپنی خواہشات نفس، اپنی رائے اور اپنی فہم سے کوئی بات گھڑلیں گے اور اسے دین کا نام دے دیں گے۔ آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

یرث ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تاویل الجاھلین وانتحال المبطلین وتحریف الغالین۔

یعنی چاہیے کہ میرا علم دین جو میں تمہیں دے رہا ہوں، یہ ہر زمانے میں، ہر نسل میں عادل لوگ ایک نسل سے اگلی نسل تک منتقل کریں۔ ایسے لوگ جو غلو کرنے والوں کی تحریف سے میرے دین کو بچاتے رہیں اور اس کے ابطال کرنے والوں سے میرے دین کو بچاتے رہیں، ان سے علمِ دین حاصل کرو۔ کم علم اور جاہل لوگ علمِ دین کے غلط معنی نکالیں گے تو عادل لوگ ان سے میرے دین کو بچائیں گے۔ لہٰذا انہی عادل لوگوں سے علم حاصل کرنا۔ (البیہقی، السنن الکبری، ۱۰:۲۰۹، رقم:۲۰۷۰۰)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مجھے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یابن عمر دینک دینک انما ھو لحمک ودمک فانظر عمن تاخذ خذ عن الذین استقاموا ولا تاخذ عن الذین مالوا۔

یعنی تمہارا دین؛ دین ہے، اسے ہلکا نہ سمجھنا، یعنی ہلکی متاع اور کم دولت نہ سمجھنا۔ وہ تمہارے خون، گوشت اور تمہاری زندگی میں زیادہ اہم ہے۔ پس یہ دیکھو یہ دین کس سے لے رہے ہو؟ دین کی معرفت کس سے لے رہے ہو؟ میرے دین کا علم صرف ان لوگوں سے لو جو صاحبانِ استقامت ہیں۔

(الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، ۱:۱۲۱)

گویا دین ان سے نہ لو جو نفس اور دنیاوی اغراض کی طرف جھکتے ہیں اور حق اور استقامت کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ دین لینے سے پہلے اس شیخ اور استاد کے عمل، تقویٰ، استقامت، عدالت، ثقاہت، پرہیز گاری اور تمکن کو دیکھو۔

خطیب بغدادیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد کوفہ میں خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انظروا عمن تاخذون ھذا العلم فانما ھو الدین۔

یعنی لوگو یہ دیکھو کہ تم کتاب و سنت، حدیث اور فقہ کا علم کن لوگوں سے لے رہے ہو۔ یہ علم ہی دین ہے۔

(الخطیب البغدادی، الکفایۃ، فی علم الروایۃ، ۱:۱۲۱)

حصولِ علمِ دین کے لیے ایسا نہیں ہے کہ جو کتاب کسی نے لکھ دی، وہ اٹھا کر پڑھ لی اور جو سامنے مسند پر بیٹھ گیا، اسے سن لیا اور جس نے خطاب کیا، اسے سن لیا۔ ایسا نہ کرو کیونکہ یہ علم؛ تمہارا دین ہے۔ اس سے تمہاری ہدایت، ضلالت، نجات اور ہلاکت وابستہ ہے۔

(۴) دین میں سند کی اہمیت

جلیل القدر تابعی علامہ محمد ابن سیرینؒ فرماتے ہیں:

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔

”یہ علمِ اسناد خود دین ہے، اس لئے پہلے غور سے دیکھیں کہ یہ دین کس سے لے رہے ہو۔“ (مقدمہ مسلم شریف، ۱:۱۴)

یعنی علمِ دین کے بارے میں پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کس سے لے رہے ہیں اور یہ بعد میں دیکھنا ہے کہ کیا لے رہے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر علم حدیث، تفسیر اور فقہ کا شیخ قابل اعتبار

نہیں تو اس کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں۔ یہ دیکھنا کہ ’’کس سے لے رہے ہیں؟‘‘ یہ علم اسناد ہے کہ ہم جس شیخ سے سن رہے ہیں، اس نے کس سے سنا اور اس کے شیخ نے کس سے سنا اور اس طرح اوپر تک ثقہ راویوں کا ہونا ضروری ہے۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا:

الاسناد من الدین ولو لا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔ (مقدمہ مسلم، الصحیح،، ج:۱، ص:۱۵)

’’اسناد؛ دین میں سے ہیں۔ اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر شخص جو چاہتا وہ کہہ دیتا۔ لوگوں کے درمیان اور ہمارے درمیان جو مضبوط ستون ہیں، وہ اسناد ہیں۔ یعنی دین کی بنیاد ان ستونوں پر قائم ہوتی ہے۔‘‘

ابن رجب حنبلیؒ نے امام عبداللہ ابن مبارک کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے اوپر اسانید کی حفاظت کی ہے تاکہ علم سند کے ساتھ آگے منتقل ہو۔

(ابن رجب الحنبلی، شرح علل الترمذی، ص:۲۶۴)

پس تعلّم کی شرائط میں سے یہ شرط ہے کہ علم سند سے آگے منتقل ہو۔ اسناد؛ اشخاص ہیں کہ کون سا آدمی معتبر، متقی، صادق، امین اور عادل ہے۔ پہلے اس کی تحقیق کر لو پھر اس کے بیان کردہ متن کو دیکھو کیونکہ متن کا مدار اس شخصیت پر ہے جو اسے روایت کر رہا ہے۔ متصل سند کا حاصل کرنا بھی دین ہے کہ کہیں بے نسب دین نہ آجائے۔ اسناد کو علم کا نسب کہتے ہیں جو تعلّم کے طریق سے آتا ہے۔ پھر اس کے حدود و قیود متعین ہوتے ہیں اور اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا تعین ہوتا ہے۔

(۵) علم صرف کثرتِ معلومات کا نام نہیں ہے

امام نووی آدابِ تعلم کے حوالے سے فرماتے ہیں:

جس کو اپنا استاد یا شیخ منتخب کریں اس کے بارے میں یہ یقین حاصل کر لیں کہ اس کے پاس صرف معلومات کی کثرت نہ ہو بلکہ علم کی کثرت ہو، گہرائی اور تعمق ہو اور اپنے علم و فن کے علاوہ اسے دیگر متعلقہ علوم و فنون پر بھی ضروری حد تک ملکہ ہو۔ کیونکہ یہ تمام علوم آپس میں جڑے ہوتے ہیں۔

(النووی، المجموع شرح المھذب، ۱:۳۶)

اس لیے کہ کبھی ہم حدیث پڑھ رہے ہیں تو اس کا گہرا تعلق علوم قرآن و تفسیر کے ساتھ ہوتا ہے۔۔۔ تفسیر پڑھ رہے ہیں تو اس کا گہرا تعلق علم الحدیث سے ہوتا ہے۔۔۔ فقہ پڑھ رہے ہیں تو اس کا گہرا تعلق حدیث سے ہوتا ہے۔۔۔ اگر حدیث پڑھ رہے ہیں تو اس کا گہرا تعلق درایت اور اخذ فقہ سے ہوتا ہے۔ پس کوئی استاد جس فن کا ماہر ہے، اس سے وہی پڑھیں مگر شرط ہے کہ اسے دیگر فنون پر بھی ضروری حد تک مہارت ہو تاکہ جب تلامذہ کو دیگر علوم سے تصور واضح (concept clear) کرنے کی ضرورت پڑے تو استاد ان علوم کے ذریعے بھی واضحیت دیتا ہوا نظر آئے۔ الغرض جتنے فنون مشروعہ ہیں، اساتذہ کی ضروری حد تک ان پر گرفت ہو کیونکہ یہ تمام علوم آپس میں مربوط ہیں۔

مزید کہ اس معلم کے پاس تجربہ ہو، مہارت ہو، اخلاق خوبصورت ہوں اور اس کا ذہن صحیح ہو۔ اس لیے کہ طالب علم؛ استاد کے ذہن سے متاثر ہوتا ہے، استاد کے خلق سے متاثر ہوتا ہے۔ استاد کی زبان، علم و فن، نظریات و رجحانات اور اس کے شب و روز کے تمام اطوار طلبہ پر اثر ڈالتے ہیں۔ اسی لئے امام نووی نے فرمایا کہ استاد کے ذہن کو بھی دیکھو، اس کے اخلاق، دیانت، تجربہ، مہارت اور وسعتِ علم کو بھی مد نظر رکھو۔

(۲) حصولِ علمِ دین کے لیے اساتذہ کیوں ضروری ہیں؟

امام نووی اور دیگر ائمہ نے فرمایا کہ جس سے اکتسابِ علم کر رہے ہیں، اس کی اطلاع تام بھی ہو۔ ائمہ نے ایسے شخص سے علم لینے سے منع کیا جس نے صرف کتابوں سے پڑھ کر عقیدہ و تصورات بنا رکھے ہیں۔ ایسے لوگوں سے وعظ و خطاب سنو اور عام معاشرت کی تربیت سنو، اس میں مضائقہ نہیں۔ یعنی جس علم میں معاشرت و معیشت ہو، وہ ان سے لے لیں مگر جب ایسے دائرہ علم میں جانا چاہیں جس سے عقیدے متعین ہوتے ہیں، جس سے اصول و نظریات وضع ہوتے ہیں، جس سے احکام اخذ

https://www.minhaj.info/

ہوتے ہیں، جس سے جائز و ناجائز اور حلال و حرام حتی کہ صحیح اور غلط کا اطلاق ہوتا ہے تو یہ علم ایسے شخص سے ہر گز نہ لیں جس نے علم اساتذہ کے بغیر از خود محض کتابوں سے لیا ہوا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ جس شخص نے خود شیوخ و اساتذہ کے سامنے بیٹھ کر نہیں پڑھا اور اپنے فن کے ماہر، عادل اور صالح استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیے بلکہ از خود کتابیں پڑھ کر عالم بن گیا، اس سے علم نہ لیں، وہ آپ کو گمراہ کرے گا، کیونکہ وہ اس علم و فن کی حدود و قیود سے ناواقف ہے۔ اسے نہیں معلوم کونسی چیز لینی ہے اور کونسی نہیں لینی۔۔۔؟ کسی لفظ یا اصطلاح کے کتنے معانی ہیں اور کون سے معنی کو ترجیح دینا ہے۔۔۔؟ کس معنی کا کس موقع پر اطلاق کرنا ہے۔۔۔؟ اس لیے کہ اس نے صرف کتب کے ترجمے پڑھے ہیں۔ اگر محض عبارت پڑھنے سے قرآن مجید سے اصلاح لینا ممکن ہوتا تو کوئی تفسیر قرآن نہ لکھی جاتی۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے دور سے تفسیریں لکھنا شروع ہوئیں۔ صحابہ کرام ؓ نے اور پھر ان کے شاگردوں نے تفاسیر لکھیں۔ جیسا کہ حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ اور حضرت قتادہ ؓ جیسے تابعین نے تفاسیر لکھیں۔ پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، ہزارہا تفاسیر لکھی گئیں۔ یہ تفسیریں کیوں لکھی گئیں؟ اس لیے کہ اگر محض قرآنی آیات سے سب کچھ سمجھ آجاتا تو کوئی تفسیر نہ لکھتا۔ سلف صالحین منع کر دیتے کہ ہمیں قرآن کافی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ پورا قرآن سمجھنے کے لئے تفسیر کی ضرورت پڑتی ہے۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ ہم نے ترجمے سے اسے سمجھنا ہے۔ یہ ترجمہ کس نے کیا ہے اور تفسیر کس نے کی ہے؟ ہر آدمی کا اپنا مزاج و مسلک ہے اور وہ اپنے نظریات کے مطابق ترجمہ و تفسیر کرتا ہے اور اس سے انحراف نہیں کرتا۔ اسی طرح حدیث میں کچھ مشکل عبارات اورادق کلمات ہیں جو از خود سمجھ نہیں آتے۔ اگر یہ سمجھ آنے والے ہوتے تو امام بخاری صحیح بخاری کے اندر احادیث سے پہلے ترجمۃ الباب مقرر نہ کرتے اور حدیث بیان کرنے سے پہلے اس کے مفاہیم واضح نہ کرتے۔ حدیث کی شرح نہ لکھی جاتی۔ تمام کتب حدیث کی شروح لکھی گئیں۔ ہزارہا کی تعداد میں حواشی لکھے گئے اور یہ کام بڑے بڑے نامور ائمہ نے کیا۔

اگر سارے احکام قرآن و حدیث سے براہِ راست سمجھ آجاتے تو امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کا وجود نہ ہوتا اور نہ ہی مذاہب بنتے۔ ان ائمہ نے قرآن و حدیث سے احکام اخذ کر کے مذاہب مرتب کئے اور فقہ کا علم وضع کیا اور یہ امت پر ان کا احسان ہے۔ امام شافعیؒ کئی سال امام مالکؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں، پھر بغداد میں امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی خدمت میں دس سال تلمذ کرتے ہیں۔ پھر امام شافعی کی خدمت میں امام احمد بن حنبل بیٹھتے ہیں ان سے اکتساب علم کرتے ہیں مگر اپنا فقہی مذہب الگ بناتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ؛ امام شافعی سے اکتسابِ فیض کے بعد قاضی ابو یوسف (امام اعظم ابو حنیفہ کے نامور شاگرد) کی مجالس میں بیٹھے اور اس طرح امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پوتے شاگرد بن گئے۔ پھر امام بخاریؒ؛ امام احمد بن حنبل کے شاگرد بن گئے، وہ ان سے پڑھتے تھے اور صحیح بخاری بھی ان کی خدمت میں پیش کر کے اس کی توثیق کروائی تھی۔

اگر یہ ائمہ فقط کتابیں پڑھ کر ائمہ نہیں بن سکتے تو ہم کون ہیں کہ محض کتابیں پڑھ پڑھا کر عالم بن جائیں اور لوگوں کو تعلیم دیں۔ ائمہ کرام کے احوالِ زندگی پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ان ائمہ کے متعدد شیوخ اور اساتذہ ہوتے تھے، جن کے پاس یہ زندگی گزارتے تھے اور تعلیم کے ایک process (طریقہ کار) سے گزرتے تھے۔ اسی مفہوم کو امام بخاریؒ نے اِنَّمَا العِلْمُ بِالتَّعَلُّم اور 'انما الفقہ بالتفقہ' کے الفاظ حدیث کے ذریعے بیان کیا ہے۔

یہ چند نمونے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی ایک امام بھی اس وقت تک امامتِ علم کے درجے پر فائز نہیں ہوا جب تک وہ متعدد شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے مرحلہ وار

تعلم و تفکر کے عمل سے نہیں گزرا۔ اسی لئے ائمہ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص سے نصیحت اور عام اصلاح کی باتیں تو لے لیں مگر وہ علم نہ لیں جن سے رائے، نظریہ اور فقہ قائم کرنی ہے۔ پس ایسے شخص سے علم نہ لیں جس نے علم کو سند سے نہیں لیا اور جس کے پاس علم کا نسب نہیں ہے۔

(۷) محض کتب سے حصولِ علم کے نقصانات

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صرف کتابوں سے علم لیتا ہے، اس کے علم میں بڑی غلطیاں، گمراہی اور مغالطے ہوتے ہیں۔ اسے اپنے علم کی صحیح Application (اطلاق) نہیں آتی اور اس کے پاس تشریح اور اس سے جزئیات نکالنے کا علم نہیں ہوتا۔ پس ایسا شخص علم کو نقصان پہنچاتا ہے لیکن جو شخص حاذق استاد سے علم حاصل کرتا ہے، وہ گمراہی اور بھٹکنے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جو شخص صرف کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے، اس کا علم کالعدم ہوتا ہے۔ (النووی شرح المھذب، ۱:۳۶)

امام الآجری نے سورۃ النسآء کی آیت ۹۵: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ ”حضرت عطاء (حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد) فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کے علم کو ہمیشہ اپنے زمانے کے بڑے اعلیٰ ائمہ، محدثین، علماء اور فقہا سے حاصل کرو۔ اسی علم کو علمِ صحیح کہتے ہیں اور جو علم اکابر کی سند کے بغیر آتا ہے، اسے قبول نہ کرو۔“ (اللالکائی، شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ، ۱:۷۲، رقم:۷۵)

اس کے بعد امام آجری؛ حضرت عمر فاروقؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ لوگ اس وقت تک خیر پر رہیں گے جب تک وہ علم اکابر سے حاصل کرتے رہیں گے۔ (اللالکائی، شرح اصول اعتقاد و اھل السنۃ والجماعۃ، ۱:۷۴، رقم:۱۰۰)

اکابر سے مراد بوڑھا ہونا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد Authorities (ثقہ علماء)، متفنن اور متمکن علماء ہیں۔ یعنی لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ علم؛ ماہرینِ علم اور حاذق اساتذہ سے حاصل کرتے رہیں گے اور از خود یا محض کتابیں پڑھ کر رائے قائم نہیں کریں گے۔

پھر امام آجری؛ حضرت سعید بن وہب کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس وقت تک لوگ بچے رہیں گے، خیر پر رہیں گے جب تک علم؛ اکابر سے Process (طریقہ کار) کے ذریعے ان تک آئے گا اور وہ خود کو اکابر کی دی ہوئی حدود و قیود کے اندر رکھیں گے اور جب وہ اکابر سے علم لینا بند کریں گے اور اصاغر سے لیں گے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ (اللالکائی، شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ، ۱:۸۴، رقم:۱۰۱)

حضرت ابو امیہ بھی یہی بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اکابر کو چھوڑ کر چھوٹوں سے علم حاصل کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہو جائے گا۔“ (اللالکائی، شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ، ۱:۸۵، رقم:۱۰۶)

اصاغر سے مراد عمر میں چھوٹا نہیں ہے بلکہ وہ شخص ہے جس نے علوم و فنون کے مراحل؛ تدرج، تعلم اور تفقہ کے بغیر اور اساتذہ کی سند، قواعد اور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے بغیر حاصل کیے ہیں۔ یعنی علم کو پوری مہارت سے نہیں پڑھا اور اکابر نے جو توضیح و تشریح کی تھی اس کے اندر اپنی رائے کو بند نہیں رکھا۔ جب ایسے اصاغر سے علم لیا جائے گا تو انجام ہلاکت ہو گا۔

لہٰذا اہلِ علم جب قرآن مجید کی تفسیر کر رہے ہوں تو کبھی نہ بھولیں کہ امام رازیؒ، امام قرطبی، امام سیوطی، امام بغوی، امام خازن، امام مکی، امام طبرانی رحمھم اللہ اور دیگر مفسرین نے اس ضمن میں کیا کہا۔ یعنی اکابر کو دیکھیں اور جو حدود و قیود انہوں نے متعین کی ہیں، اسے سامنے رکھتے ہوئے آج کے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر تفسیر کریں۔

(۸) علمِ دین کی حفاظت ماضی سے جڑے رہنے میں ہے

یاد رکھیں! علمِ دین کے بارے میں ہمیشہ ماضی کو ہاتھ میں رکھیں اور مستقبل کو Address (مخاطب) کریں۔ قدیم و جدید کو جوڑیں۔ ہدایت اور نور؛ قدیم اکابر سے لیں کیونکہ انہوں نے کتاب و سنت کو صحیح سمجھا تھا، قواعد و ضوابط سے سمجھا تھا اور صحت کے ساتھ منتقل کیا تھا۔ پھر اس ہدایت، اصول، ضابطہ اور

رہنمائی کا اطلاق اپنی زندگی کے حالات اور مستقبل پر کریں۔ اسی طرح جدید کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور جدید مسائل حل کرنے کے لئے نور؛ قدیم زمانہ سے لیں۔ قدیم و جدید کو جو اس طرح جمع کرتا ہے اور قرون اولیٰ، سلف صالحین، ائمہ، محدثین، فقہاء، مجتہدین کے علم کو اپنے اوپر پہرے دار بناتا ہے اور اپنے زمانے کے مسائل کو حل کرتا ہے، اجتہاد کرتا ہے تو وہ ہدایت پر رہتا ہے۔

جو کہتے ہیں کہ ہم نے کسی سے نہیں لینا، ہم صرف کتاب و سنت کو مانتے ہیں تو وہ چودہ سو سال کی چھلانگ لگانا چاہ رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ چودہ سو سال سے جو لوگ بیان کر رہے تھے، وہ قرآن و سنت نہیں تھا۔ کیا حافظ ابن حجر عسقلانی، امام قسطلانی، امام عینی، ابن ملقن، امام طبرانی، امام سیوطی، قاضی عیاض اور امام نووی رحمھم اللہ تعالیٰ نے جو لکھا اور کہا وہ کتاب و سنت سے الگ کوئی اور شے تھا؟ یاد رکھیں! یہ ائمہ اور ان کا بیان کردہ علم حدود ہیں جو علم کو نسب والا علم بنا رہے ہیں۔ یہی علم نافع بن رہا ہے اور اس سے نور حاصل ہوتا ہے۔ پس اس علم سے قواعد و ضوابط لیں، اپنے آپ کو ان کے پہرے اور پابندی کے اندر قید کریں اور اس دائرے کے اندر رہیں، اگر اس سے باہر چھلانگ لگائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ جب لوگ کہیں گے کہ ہم اکابر کو نہیں مانتے، ہم آزاد ہیں، ہم خود اس کی تشریح کریں گے اور خود تعبیر کریں گے، تو علم میں ہلاکت آجائے گی، علم میں نور اور نفع ختم ہو جائے گا اور علماء اشرار الناس ہو جائیں گے۔ آقا ﷺ نے علماء کو خیار الناس قرار دیا ہے۔ پس وہ علمِ صحیح کو تعلم و تفقہ کے ذریعے اکابر سے حاصل کر کے نسل در نسل آگے منتقل کریں۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیرکم قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔

یعنی سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر وہ زمانہ ہے جو ان سے ملے، پھر وہ جو ان سے ملے۔ (بخاری، جلد:۲، رقم:۲۵۰۸)

رسول اللہ ﷺ نے ایک تدرج وضع فرمایا۔ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس سے مراد میرے صحابہ کا زمانہ ہے جنہیں علم براہِ راست منتقل ہوا۔ پھر تابعین کا جنھوں نے صحابہ سے لیا اور پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے، جنہوں نے تابعین سے لیا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرے گا سائنس ترقی کرے گی، جیسے جیسے زمانہ آگے جائے گا، سائنس بھی آگے بڑھے گی اور نئی نئی ایجادات ہوں گی اور انسان ترقی کرے گا۔ مگر دین کا معاملہ یہ ہے کہ جیسے جیسے ماضی میں جائیں گے، اتنا صحیح دین ملے گا۔ سائنس اور جدید علوم میں آگے بڑھتے جائیں گے تو سائنس کی معراج پر جاتے جائیں گے لیکن حصولِ علم دین کے لیے جتنا ماضی میں سفر کریں گے، دین کی معراج پر جائیں گے۔ دین کا اصول وضابطہ یہ ہے کہ دین کی صحت پچھلے زمانوں اور صدیوں سے لیں جبکہ اس کا اطلاق آج کے دور پر کریں۔

علم و عمل میں مطابقت

سیدنا علی المرتضیٰ ؑ نے ارشاد فرمایا:

یا حملة العلم اعملوا به فانما العالم من عمل بما علم ووافق علمه عمله۔ (الدارمی، السنن، ۱:۱۱۸، رقم:۳۸۲)

اے اہلِ علم! جو علم تمہیں مل گیا، اس پر عمل کرو اس لیے کہ عالم وہی ہے جو اپنے علم پر عمل کرے اور اس کا عمل اس کے علم کے ساتھ موافقت رکھے۔ اس لیے کہ آگے زمانے آئیں گے کہ لوگ علم اٹھائے پھریں گے، علم بیان کریں گے مگر وہ علم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اس علم نے ان کے دل کی حالت کو بدلا نہ ہوگا۔

آپ ؑ نے عالم کی تعریف واضح کردی کہ وہ اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ جس شخص کی زبان سے علم سنیں اور وہ زندگی میں اس پر عمل کرنے والا نہ ہو تو وہ عالم نہیں ہے، لہٰذا اس سے علم نہ لینا۔ عالم وہ ہے جس کا عمل اس کے علم سے موافقت رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ علم تو بہت اونچا بیان کرے مگر عمل بہت پست اور نیچے ہو۔ قیامت کے قریب زمانوں میں بہت سارے علماء ایسے ہوں گے جو علم بیان کریں گے مگر وہ علم ان کے باطن میں نہیں اترا ہوگا اور نہ ہی وہ علم ان کا حال اور عمل بنا ہوگا۔ پگڑی، ٹوپی، عمامہ، جبہ، قبہ، لباس، دینداری، مسند، خطاب و وعظ، درس قرآن و حدیث

سب ہو گا، سارا حُلیہ، نصیحت اور تربیت علما جیسی ہو گی مگر ان کا باطن اس کے برعکس ہو گا۔

کسی شخص کا ظاہر دیکھنے سے پہلے اس کے باطن میں جھانکو اور اس کے باطن کو جاننے کی کوشش کرو۔۔۔ اس کا عمل اور اس کا حال جانچو۔۔۔ اس کی صداقت، زہد، ورع، تقویٰ، سلم و امن، حلم و تحمل، حکمت و معرفت اور اس کی پختگی دیکھو۔۔۔ اس کے اخلاق کو دیکھو، اگر اخلاق اچھا نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے علم نے اس کی حالت نہیں بدلی تو وہ ہمیں کیا بدلے گا۔۔۔ پھر لوگوں سے اس کا برتاؤ دیکھو کہ اس کے دل میں نفرت ہے یا محبت۔۔۔؟ تواضع ہے یا تکبر۔۔۔؟ لوگوں کو اچھا جانتا ہے یا حقیر۔۔۔؟ اگر اپنے آپ کو اچھا سمجھ رہا ہے تو سب کچھ علم کے الٹ ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ علم تو تواضع، خشیت اور انکساری عطا کرتا ہے، علم تو لوگوں کو حقیر دیکھنے ہی نہیں دیتا بلکہ وہ باقی تمام کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے۔

اگر علم صحیح ہو تو وہ اپنے عیوب دکھاتا ہے، لوگوں کے عیوب دیکھنے نہیں دیتا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ عیب دیکھنا تو دور کی بات ہے ہم تو مسندوں پر بیٹھ کر دوسروں کے عیب اچھالتے ہیں۔۔۔ لوگوں کو للکارتے اور مناظرے کی دعوت دیتے ہیں۔۔۔ مجادلے کرتے اور اختلاف کو مخالفت بنا دیتے ہیں۔۔۔ تصادم وفساد بپا کرتے اور دھڑے بندی و تفرقہ پیدا کرتے ہیں۔۔۔ دشمنیاں پیدا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے گلے کٹواتے ہیں۔۔۔ کسی ایک کا مرید اور شاگرد دوسرے کے استاذ کی عزت نہیں کرتا تو بتایئے کہ کیا یہ علم ہے۔۔۔؟ یہ علم نہیں بلکہ ہلاکت اور جہنم ہے۔ اگر میرے شاگرد مجھ سے علم لیتے ہیں اور کسی دوسرے کے استاد کو گالی دیتے ہیں تو انھوں نے میرے علم سے کیا سیکھا۔۔۔؟ ایسا علم ان کے لیے ہلاکت ہے۔ اگر میرا ادب کرتے ہیں اور دوسرے کے استاد کا ادب نہیں کرتے تو میرے ادب سے کیا سیکھا۔۔۔؟

ہر عالم اور مدرس کو اس امر کا اہتمام کرنا چاہیے کہ جس طرح اس کے شاگرد اس کا ادب کرتے ہیں، اسی طرح وہ دیگر علماء و مدرسین کا بھی ادب کریں۔ استاد، شیخ اور عالم کو چاہیے کہ اپنے مریدین، معتقدین اور تلامذہ کو بڑوں کا ادب اور ان کی عزت کرنا سکھائے۔ یہ اسی صورت ہو گا کہ جب طلبہ اور مریدین اپنے اساتذہ، شیوخ اور علماء سے کسی اور کے بارے میں ایک بھی منفی جملہ نہیں سنیں گے۔ جب وہ اساتذہ سے تضحیک، طعن و تشنیع اور تنقید نہیں سنیں گے تو ان کی زبانیں بھی بند ہو جائیں گی لیکن جب علماء، مشائخ اور اساتذہ دوسرے لوگوں کو اپنی مجالس میں طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے، تنقید کریں گے، تذلیل کریں گے، چغلی کریں گے، علم کے پردے میں دوسرے کو اپنے سے حقیر ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، مذاق اڑائیں گے اور شاگرد یہ سب سنیں گے تو وہ شیخ و معلم سے سو گنا بڑھ کر بداخلاقی اور بے ادبی کا مظاہرہ کریں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام اسی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اپنے آپ کو اہلِ علم کہلوانے والے لوگ حلقے بنائیں گے، ان کی مجالس ہوں گی، مکتب و مدرسے ہوں گے، مسندیں لگائیں گے اور وہاں بیٹھ کر علم کے ذریعے اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ مفاخرت کریں گے اور تفوق ثابت کریں گے یہاں تک کہ دل تنگ ہو جائیں گے۔ ایسے علم پھیلانے والے لوگ اپنے شاگردوں اور مریدوں پر غصہ کرتے ہیں کہ وہ دوسرے کی علمی مجلس میں کیوں گئے۔ وہ انھیں کسی اور سے خیر لینے کی اجازت نہیں دیتے۔ یاد رکھیں! دوسروں سے روکیں گے، تو وہ تنگ دل اور متعصب ہو جائیں گے۔

مولا علی المرتضیٰ علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ جب ایسے زمانے آئیں تو تم لوگوں کو ان کے علم، عمل اور حال میں پرکھو۔ کیونکہ وہ مجلس میں اور ہوں گے اور اعمال کچھ اور ہوں گے۔۔۔ جو کچھ کہیں گے، وہ خود اسے نہیں کریں گے۔۔۔ نتیجتاً ان کے اعمال نیکیاں نہیں بنیں گے اور نہ ہی ان کی نیکیاں اللہ کی بارگاہ میں اٹھائی جائیں گی، بلکہ سب کچھ برباد ہو جائے گا۔ جو انہیں سنیں گے اور ان کی پیروی کریں گے، لامحالہ اس علم سے ان کی بھی ہلاکت اور بربادی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علمِ نافع عطا فرمائے اور علم و عمل میں مطابقت نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

❁❁❁❁❁

آپ کے فقہی مسائل

علیحدگی کی صورت میں بچے پر زیادہ حق ماں کا ہے

نہ سمجھ بچہ ماں کی پرورش کا زیادہ حق دار ہے

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیر نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: میاں بیوی میں علیحدگی کی صورت میں بچوں کی پرورش کا حق کس کا ہے؟

جواب: اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے حق کو شرعی اصطلاح میں حقِ حضانت (حضانۃ الطفل/Child Custody) کہتے ہیں۔ تمام رشتوں میں حقِ حضانت کی سب سے زیادہ مستحق بچے کی ماں ہے، خواہ وہ زوجیت میں ہو یا طلاق یافتہ ہو۔ ماں کیلئے حقِ حضانت میں ترجیح کے حوالے سے فقہاء نے درج ذیل فرمانِ الٰہی سے استدلال کیا ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ. (البقرة، ۲:۲۳۳)

”اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں، یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صغر سنی میں بچے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔ فقہاء کرام نے مذکورہ آیت مبارکہ کے ساتھ درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، جو حقِ حضانت میں ماں کو ترجیح ملنے کا مفہوم رکھتی ہیں۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنَّ ابْنِي هٰذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً، وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً، وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً، وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي. فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي.

(احمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۴۶، رقم: ۶۷۱۶)

”یارسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے۔ میرا پیٹ اِس کا برتن تھا، میری چھاتی اس کا مشکیزہ تھی اور میری گود اس کی رہائش گاہ تھی۔ اِس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اَب وہ اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون سے فرمایا: تم اس بچے کی زیادہ حق دار ہو جب تک تم (کسی اور سے) نکاح نہ کرلو۔“

امام مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

لِأَنَّ الْأُمَّ أَشْفَقُ وَأَقْدَرُ عَلَى الْحَضَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ إِلَيْهَا أَنْظَرَ، وَإِلَيْهِ أَشَارَ الصِّدِّيْقُ رضی اللہ عنہ بِقَوْلِهِ: رِيقُهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ شَهْدٍ وَعَسَلٍ عِنْدَكَ يَا عُمَرُ. (مرغینانی، الہدایۃ، ۲:۳۷)

”اس لیے کہ ماں بچے کے حق میں سب سے زیادہ شفیق ہوتی ہے اور نگرانی اور حفاظت پر مرد کی نسبت زیادہ قدرت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے بچے کو ماں کے سپرد کرنا زیادہ مفید ہے۔ اسی شفقت کی طرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ اے عمر! بچے کی ماں کا لعابِ دہن بچے کے حق میں تمہارے شہد سے بھی زیادہ شیریں ہوگا۔“

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ لَا يَعْقِلُ كَانَتِ الْأُمُّ أَوْلٰى بِهِ عَلٰى أَنَّ ذٰلِكَ حَقٌّ لِلْوَلَدِ لَا لِلْأَبَوَيْنِ، لِأَنَّ الْأُمَّ أَحْنٰى عَلَيْهِ وَأَرَقُّ مِنَ الْأَبِ.

https://www.minhaj.info/

(شافعی، الأم، ۸: ۲۳۵)

''پس جب بچہ ناسمجھ ہو تو ماں اس کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے اس لیے کہ یہ بچے کا حق ہے، والدین کا نہیں۔ کیونکہ والدہ بچے کے حق میں باپ کی نسبت زیادہ نرم دل اور رقیق ہوتی ہے (لہٰذا ماں بچے کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے)۔''

امام ابن ہمامؒ بیان کرتے ہیں:

ولا تجبرعليه أي على أخذ الولد اذا أبت أولم تطلب الا أن لا يكون للولد ذو رحم محرم سوى الام على حضانته كيلا يغوث حق الولد أصلا. (ابن ہمام، فتح القدیر، ۴: ۱۸۴)

''اگر ماں بچہ لینے سے انکار کر دے یا مطالبہ نہ کرے تو اس پر جبر نہیں ہو گا۔ ہاں اگر بچے کا ماں کے سوا کوئی ذی رحم محرم نہیں، تو اس وقت ماں کو بچے کی پرورش پر مجبور کیا جائے گا تاکہ بچے کا حق بالکل ختم نہ ہو جائے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ بچوں کی پرورش کا حق ماں کے لیے ہے اور وہ اس وقت تک اسے اپنے پاس رکھے گی جب تک کہ بچے کو کھانے، پینے اور رفع حاجت کے لیے ماں کی ضرورت پڑے اور اس کی مدت لڑکے کے لیے سات برس اور لڑکی کے لیے نو برس ہے یا حیض آنے تک۔ اگر خدانخواستہ ماں مرتد ہو جائے یا بدکردار ہو، جس سے بچہ کی حفاظت ممکن نہ رہے تو اس صورت میں والدہ کا حقِ پرورش باطل ہو جاتا ہے۔

بچوں کی پرورش کا خرچ یعنی کفالت باپ کے ذمہ ہے۔ باپ کی وفات کی صورت میں اگر بچوں کا مال موجود ہے تو اس میں سے خرچ کیا جائے گا اور اگر مال موجود نہیں یعنی باپ نے وراثت میں کچھ نہیں چھوڑا تو ذمہ داری ماں پر ہو گی۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کے ذمہ نفقہ ہے، اس کے ذمہ پرورش کا خرچ بھی ہے اور لڑکے کے لیے سات سال اور لڑکی کے لیے بلوغت تک خرچ دیا جائے گا۔

اگر بچوں کی عمریں مذکورہ عمر سے زیادہ ہوں تو ان کی حضانت کا حق والد کو بھی حاصل ہے۔ اس صورت میں بہتر یہ ہوتا ہے کہ ماں اور باپ رضامندی سے ان کے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ اگر والدہ بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے پر بضد ہو اور بچوں کی والد سے ملاقات بھی نہ کروانا چاہے تو اس کا یہ رویہ شرعاً درست نہیں ہوتا۔ والد اپنے اس حق کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جو بچہ جس فریق کے پاس ہو، وہ دوسرے فریق کو اس بچے سے ملاقات کے حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ اس صورت میں فریقین باہمی رضامندی سے بچوں کی پسند کے مطابق معاملہ طے کریں۔

سوال: یوٹیوب پر کلک بیٹ استعمال کرنا کیسا ہے؟ کلک بیٹ میں تھمبنیل اور عنوان ایسا دکھایا جاتا ہے جس سے عوام ویڈیو پر کلک کرتی ہے لیکن جب ویڈیو چلتی ہے تو اندر ویڈیو عنوان سے مختلف ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے دیکھنے والے کا وقت برباد ہوتا ہے کیا اس ذریعے سے کمائی کرنے والی کی کمائی حلال ہے؟

جواب: قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلاَ تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا. (النساء، ۴: ۱۰۷)

''اور آپ ایسے لوگوں کی طرف سے (دفاعاً) نہ جھگڑیں جو اپنی ہی جانوں سے دھوکہ کر رہے ہیں۔ بیشک اللہ کسی (ایسے شخص) کو پسند نہیں فرماتا جو بڑا بد دیانت اور بدکار ہے۔''

درج بالا آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف سے جھگڑنے سے منع فرما رہا ہے جو اپنی جان سے دھوکہ کر رہا ہو اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں فرماتا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ناپسند فرماتا ہے جو دوسروں کو دھوکہ دے رہا ہو۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دھوکے باز شخص کو بد دیانت اور بدکار قرار دیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں دھوکے بازی انتہائی قبیح فعل ہے۔

https://www.minhaj.info/

آج کل یہ عام رجحان ہے پیسے کمانے کی خاطر انٹرنیٹ خاص طور پر یوٹیوب کی ویڈیوز پر بڑے دلکش و پُر مغز عنوانات اور تھمبنیل لگائے جاتے ہیں، جس کا مقصد محض ویڈیو پر کلک حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جب صارف ویڈیو کھولتا ہے تو اس میں وہ مواد نہیں ہوتا جو تھمبنیل یا عنوان میں دکھایا گیا ہوتا ہے۔ یہ سراسر دھوکے بازی اور بد دیانتی ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی بد دیانتی اور دھوکہ بازی کے متعلق بڑی سخت وعید آئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ: مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي.

”رسول اللہ ﷺ ایک غلہ فروخت کرنے والے کے پاس سے گزرے، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ غلہ کے اندر ڈالا تو ہاتھ میں کچھ تری محسوس ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ تری کیسی ہے؟ غلہ کے مالک نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس پر بارش ہو گئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اسے بھیگے ہوئے غلہ کو اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے؟ جس شخص نے دھوکا دیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔(مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا)

یہ حدیث مبارک مذکورہ سوال سے عین مطابقت رکھتی ہے کہ ظاہر میں نظر آنے والی چیز اندر نہ ہو تو دھوکہ بازی ہے، اسی طرح ویڈیو کا جو عنوان ہو، اندر اس سے متعلقہ مواد نہ ہو تو یہ بھی دھوکہ دہی ہے اور ایسے شخص کے بارے میں آپ ﷺ نے بہت سخت وعید سنا کر دھوکہ بازی کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔

ایک مقام پر آپ ﷺ نے دھوکہ باز کو منافق گردانا ہے جیسا کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ، وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيمٌ.

مومن بھولا بھالا اور سخی ہوتا ہے جب کہ منافق دھوکا باز اور بخیل ہوتا ہے۔ (أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی حسن العشرة، ۴: ۲۵۱، الرقم: ۴۷۹۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ خِبٌّ وَلَا مَنَّانٌ وَلَا بَخِيلٌ.

دھوکہ باز، بخیل اور احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

(الترمذي، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في البخیل، ۴: ۳۴۳، الرقم: ۱۹۶۳)

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ دھوکہ بازی سے ویڈیوز پر کلک لینا سخت ناپسندیدہ اور گناہ ہے۔ ایسی دھوکے بازی سے ہونے والی کمائی بھی حرام ہے۔

سوال: قبضہ کے بغیر کسی شے کی فروخت (DROPSHIPPING) کا کیا حکم ہے؟

جواب: شریعتِ اسلامیہ نے عقودِ بیع اور مالی معاملات میں ایسے اُمور کو ناجائز قرار دیا ہے جن کی وجہ سے فریقین کے درمیان نزاع و مخاصمت، لڑائی جھگڑے، دھوکہ دہی یا باطل طریقے سے ایک دوسرے کے مال حاصل کرنے کا امکان پایا جاتا ہو۔ خرید و فروخت کے معاملات میں شریعت نے جن اُمور کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے اُن میں سے ایک 'قبضہ علی المبیع' یعنی فروخت کردہ شے کے قبضے (Possession) کا معاملہ ہے۔ اس کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ بائع (فروخت کنندہ / بیچنے والا) جس سامان کو بیچ رہا ہے، بائع کے پاس اُس سامان کو بیچنے کا اختیار ہو تاکہ خرید و فروخت مکمل ہونے پر سامان مشتری (خریدنے والے) کے حوالے کر دیا جائے۔ اصولی طور پر تمام فقہائے کرام اور ائمہ اربعہ اس امر پر متفق ہیں کہ 'بیع

قبل القبض، یعنی قبضہ سے پہلے یا قبضہ کے بغیر کسی شے کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں، مگر اس معاملے کی تفصیلات اور جزئیات میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

فقہائے احناف کے نزدیک قبضہ کا مفہوم یہ ہے کہ مَبیع (بیچا جانے والے سامان) پر مشتری (خریدار) کو اس طرح اختیار سونپ دیا جائے کہ مشتری کو قبضہ کرنے، استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی قدرت و اختیار حاصل ہو جائے اور بائع کی طرف سے کوئی مانع اور حائل نہ رہے۔ خریدار کو حاصل ہونے والا یہ قبضہ کبھی تو حقیقی وحسّی (Physically) ہوتا ہے اور کبھی معنوی و حکمی (Virtually) ہوتا ہے۔ مختلف چیزوں کا قبضہ ان کے حسب حال ہوتا ہے۔ شریعت نے قبضہ کی کسی خاص صورت کو مخصوص نہیں کیا بلکہ قبضہ کی ہر اُس صورت کو جائز قرار دیا ہے جسے عُرف میں قبضہ سمجھا جاتا ہے اور معاشرے کے لوگ اُسے قبول کرتے ہیں۔ گویا مالی لین دین میں قدرت و اختیار کی ہر وہ شکل جسے معاشرے میں قبولیت حاصل ہو، اُس کو شرعاً قبضہ کا مصداق سمجھا جائے گا۔ اِسی طرح قبضہ کی قدرت اور موقع دے دینا بھی قبضہ کے قائمقام اور اس کی ہی ایک شکل ہے۔

احناف کے نزدیک شے کا حسی قبضہ ضروری نہیں ہے، بلکہ مبیع کا تخلیہ (تمام رکاوٹوں کو ہٹا کے دوسرے کو تصرف و استعمال کا حق دینا) بھی کافی ہے۔ مروجہ تجارتی شکلوں میں تخلیہ کا معنی و مصداق یہ ہو گا کہ فروخت کردہ شے کا حکمی قبضہ (Virtual possession) ثابت ہو جائے۔ انٹرنیٹ اور ای کامرس کے ذریعہ ہونے والی مروجہ تجارتی شکلوں میں قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ ضروری کارروائی اس طور پر عمل میں لائی جائے کہ فروخت کردہ شے کی ذمہ داری اور حقِ تصرف بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہو جائے اور سامان کی ذمہ داریاں (Liabilities) اور فوائد (Profits) کا وہ حق دار بن جائے۔

اس سے واضح ہوا کہ ایسی شے کی بیع جائز نہیں جس پر بیچنے والے کو حسّی یا حکمی طور پر قبضہ حاصل نہ ہو، ایسی شے کو نہ تو فروخت کرنا جائز ہے اور نہ ہی اُس کی قیمت وصول کرنا درست ہے، کیونکہ اس صورت میں خریدنے والے کو حقِ تصرف منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ڈراپ شپنگ (DROPSHIPPING) کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔

ڈراپ شپنگ تجارت کی ایک جدید شکل ہے جس میں کوئی شخص کسی مینوفیکچرنگ کمپنی کی ویب سائٹ یا کسی بڑے ای سٹور مثلاً: ایمازون، والمارٹ، دراز اور علی بابا وغیرہ پر بکنے والی کسی پراڈکٹ کی تشہیر کرتا ہے اور کسٹمرز کو خریداری کی آفر کرتا ہے اور آرڈر ملنے پر مطلوبہ شے مینوفیکچرنگ کمپنی یا ای سٹور سے خرید کر کسٹمر تک پہنچاتا ہے اور کسٹمر شے کی وصولی پر قیمت ادا کرتا ہے۔ ڈارپ شپنگ جائز ہے مگر اس میں چند شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ شے کی جنس، نوع، صفت، مقدار، وصولی کی تاریخ، قیمت، قیمت کی ادائیگی کا طریقہ کار اور حمل و نقل کے مصارف کا واضح اور غیر مبہم تعین کیا جائے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ڈراپ شپّر اپنی ویب سائٹ یا جس میسجنگ سروس کے ذریعے پراڈکٹس کی تشہیر کر رہا ہے وہاں کسٹمرز سے خرید و فروخت کا معاہدہ نہ کرے بلکہ کسٹمرز سے آرڈر موصول ہونے پر مطلوبہ شے کا بندوبست کر کے کسٹمرز کو فراہم کرنے کا وعدہ کرے، اِس وعدے کے عوض کل قیمت کا کچھ حصہ پیشگی طور پر وصول کرنا چاہے تو اس میں بھی حرج نہیں۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ کسٹمر نے جس شے کا آرڈر دیا ہے، ڈراپ شپّر مینوفیکچرنگ کمپنی یا ای سٹور سے اُس شے کو خود خریدے، یا خریداری کا معاہدہ کر کے خود قیمت ادا کرے، اِس سے ڈراپ شپر کا قبضہ حقیقی یا حکمی طور پر ثابت ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس ای سٹور یا کمپنی کو کہہ دے کہ مطلوبہ شے فلاں آدمی کو بھیج دیں۔

ان شرائط کے ساتھ ڈراپ شپنگ جائز ہے۔

❁❁❁❁❁

قرآن اور اعلیٰ انسانی کردار کی تشکیل کے ضابطے

اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ ایک انسان دوسرے سے نفرت نہ کرے

اللہ نے اپنی شان ربوبیت کا تعارف شانِ رحمت کے ساتھ کروایا

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

انسان کو اس ذات کا پرتو ہونا چاہیے جس نے اس کو خلق کیا ہے۔ یہ مخلوق ہو کر اپنے خالق کی صفات کا آئینہ دار ہو اور اس کی صفات کی عملی شہادت اپنے کردار سے پیش کرے تو یہی اس انسان کی شخصیت و کردار کی تعمیر کے لیے سب سے بڑا ضابطہ اور اصول ہے۔ ایک انسان کو اپنی صفات اور خصائل میں عالمگیر انسانی اخوت کا پیکر ہونا چاہیے اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اس تعلق اخوت میں ہر لحظہ مضبوط کرتا ہوا دکھائی دے تو اس کی شخصیت صحیح نہج پر اپنے کردار کی تعمیر کا آغاز کر رہی ہو گی۔

انسان کی زندگی دو مرحلوں سے گذرتی ہے:

۱۔ تخلیقِ ذات ۲۔ تشکیلِ سیرت

تخلیقِ ذات کے مرحلے میں باری تعالی نے سب کو مساوی رکھا ہے۔ سر تاپا ہر انسان کو خوبصورت اور دلکش انسانی اعضا عطا کیے ہیں اور حسنِ توازن سے معمور کیا ہے اور یوں اس انسان کو تمام مخلوقات کے مابین اشرف الخلق بنایا ہے۔ اس پوری کائناتِ خلق میں جس قدر باری تعالی نے انسان کو حسین و جمیل بنایا ہے، اس قدر کسی اور مخلوق کو نہیں بنایا ہے۔

اس انسان کی زندگی کا دوسرا مرحلہ تشکیلِ سیرت کا ہے۔ یہ مرحلہ بڑا ہی کٹھن اور بڑا ہی شدائد کا حامل ہے اور اگر اس کی کامل معرفت نصیب ہو جائے اور احکاماتِ الٰہیہ کے مطابق اور موافق ہو جائے تو اس کی تکمیل آسان ہو جاتی ہے اور اگر یہ احکامِ ربانی کے خلاف اور نفس کی خواہشات کی پیروی میں طے ہو تو یہ تخریبِ نفس اور تذلیلِ انسانیت اور ندامتِ انسانی کا ایک نشان بن جاتا ہے۔

اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان ارجعی الی ربك راضية مرضيه کا سفر اختیار کرے اور خود کو اللہ کے رنگ سے رنگ لے۔ اس کی عملی صورت یہ ہے اپنی شخصیت اور اپنے کردار کی تشکیل سورۃ الفاتحہ میں مذکور درج ذیل اصولوں اور ضابطوں پر کرے:

۱۔ پیکرِ اخوت

ایک مسلمان الحمدللہ رب العالمین کے کلمات کے ذریعے اپنے رب کی آفاقی اور کائناتی اور عالمی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے۔ یہ اقرار تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان ایک عالمی اور آفاقی نظام ربوبیت سے وابستہ کر کے محدود عصبیتوں، گروہی وفاداریوں، رنگ و نسل کے دائروں اور طبقاتی تقسیموں سے خود کو الگ تھلگ کر لے اور خود کو ایک وحدت کی لڑی میں پرو دے۔

اسلامی اخوت اور اسلامی وحدت کا ہر ایک مسلمان سے یہی مطالبہ ہے کہ ہم دوسرے انسانوں سے نفرت نہ کریں اور ان سے کسی قسم کا تعصب نہ کریں اور ان سے حق زیست نہ چھینیں۔ ہر ایک انسان کو اپنے سینے سے لگائیں۔ ہر کسی کی فلاح و بہبود کا سوچیں، اپنے عمل کو اخوت اور محبت والا بنائیں۔ اپنی ذات و کردار سے وحشت اور بربریت کا خاتمہ کریں۔ زبان و قلم

https://www.minhaj.info/

کو وحدت و اخوت سے آشنا کریں، ہر دجل و فریب سے اعراض کریں، فرقہ پرستی اور فرقہ واریت سے خود کو الگ کریں، اپنی مخصوص سوچ کو ہی صرف اسلام نہ کہیں بلکہ دوسروں کی سوچ کا بھی احترام کریں۔ خود کو ہی اسلامی وحدت اور اسلامی اخوت کا علمدار تصور نہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی اسلامی وحدت اور اسلامی اخوت کا حامل اور صاحبِ کردار سمجھیں۔

ہم اسلام اور اس تعلیمات کے ٹھیکیدار نہ بنیں بلکہ مبلغِ اسلام اور محافظِ دین بنیں۔ اپنے قول و فعل کے ہر تضاد کو دور کریں اور اپنے دل و نگاہ کو مسلمان بنائیں اور اعلیٰ مسلمان شخصیتوں کی طرح جینے والے بنیں۔ اللہ رب العزت کی شان ربوبیت مسلمان کو اپنی شخصیت و کردار کی تعمیر کے باب میں دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کا اور اپنے اہلِ خانہ کا خود کفیل بنے اور اپنے وسائل کی کثرت کے ساتھ اپنے سارے خاندان والوں کی حاجت روائی کرے حتی کہ اللہ کی شان ربوبیت سے مستفید ہوتے ہوئے خلق خدا کی کثیر تعداد کی کفالت کرنے والا بنے۔

۲۔ پیکرِ شفقت و رحمت

انسان کی شخصیت و کردار کی تشکیل کا دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے لئے خود کو پیکر رحمت اور شفقت بنائے۔ اللہ تعالیٰ الرحمن الرحیم کی صفات کا حامل ہے۔ اس نے سورۃ فاتحہ میں اپنی ربوبیت عامہ کا تعارف بھی صفتِ رحمت سے کرایا ہے اور یہ صفت رحمت ایک ایسی صفت ہے جو ہر کمال کو محیط ہے۔ اللہ رب العزت کے ہر فعل سے اس کی یہ صفت یکسا ں جھلکتی ہے اور اسی بنا پر باری تعالیٰ نے پورے قرآن میں اس صفت کو بار بار بیان کیا ہے۔

اللہ نے اپنی شان ربوبیت کا تعارف شان رحمت کے ساتھ کرا کر اپنی عبادت کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اسلام میں عبادت اور خدا پرستی کی بنیاد جلال پر نہیں ہے بلکہ اللہ کی شانِ جمال پر ہے۔ قہر و غضب پر نہیں بلکہ رحمت و رافت پر ہے۔ اسی طرح خوف و سزا پر نہیں بلکہ اللہ کی شانِ لطف و عطا پر ہے۔ کسی قسم کی وحشت پر نہیں بلکہ سراسر محبتِ الٰہی پر ہے حتی کہ صرف اور صرف تصورِ جزا پر نہیں بلکہ اللہ کی شان رضا پر ہے۔

الرحمن الرحیم کی یہ الوہی صفات ہر انسان کو پیغام دیتی ہیں کہ وہ اپنے اندر وصفِ رحمت کا پر تو پیدا کرے۔ صفت رحمت سے انسان کا متصف ہونا ہی اس کی شخصیت کا کمال ہے اور اسی طرح انسان کے اخلاق کا چراغ صفات الہیٰہ سے روشن ہو گا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنی حسین و جمیل خوبیوں کا ذکر اس لیے کرتا ہے کہ انسان بھی اپنے آئینہ شخصیت میں ان خوبیوں کو عملاً اختیار کرنے والا نظر آئے۔ وہ اپنی رحمتِ واسعہ کا ذکر اس لیے کرتا ہے کہ انسان بھی اس کی مخلوق کے لیے سراپا رحمت بن جائے۔۔۔ رافت و شفقت کا ذکر اس لیے کرتا ہے کہ انسان بھی دوسرے انسانوں کے حق میں عفو و درگذر اور لطف و کرم کا پیکر بن جائے۔ اگر ہم دوسرے لوگوں پر رحم و کرم نہیں کرسکتے تو ہم اپنی خطاؤں اور لغزشوں پر اپنے مولا کے لطف و کرم کے مستحق کیسے بن سکتے ہیں؟ ہمیں اس کے محسنین بندوں میں شامل ہو کر لوگوں سے ان کی خطاؤں پر عفو و درگذر بھی کرنا ہے اور ان کی غلطیوں پر اپنے غیض و غضب سے بھی انھیں بچانا ہے۔ اگر کوئی انسان اس کے ساتھ برائی کرے تو یہ اس کے بدلے میں اس کے ساتھ اچھائی کرے اور اس کی ہر برائی کا بدلہ اچھائی، نیکی اور خیر خواہی سے دے۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ نیکوکاروں سے زیادہ گناہگار اور صحت مندوں کی بجائے بیمار اور دولتمندوں کی نسبت غریب لوگ ہماری توجہ اور رحمت و محبت کے زیادہ مستحق ہیں۔ طبیب کا کام مرض سے نجات دلانا ہے، مریض سے نجات حاصل کرنا نہیں۔ اس طرح مصلح کی ذمہ داری گناہگار سے نفرت نہیں بلکہ اس کو گناہ سے دور کرنا ہے اور وہ گناہگار ہماری محبتوں کا مستحق ہے۔ جس کو باری تعالی بھی ’’یَاعِبَادِی‘‘ کے پیار بھرے کلمات کے ساتھ بلاتا اور پکارتا ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ۔

’’آپ فرما دیجئے! اے میرے گناہگار بندو جنہوں نے اپنی

https://www.minhaj.info/

جانوں پر ظلم کیا ہے۔‘‘(الزمر،۳۹:۵۳)

یہ محبت بھرا اسلوب خطاب ایک گناہگار اور خطاکار کے دل سے وحشت اور خوف کو نکال باہر کرتا ہے۔۔۔ وہ پکارنے والے سے مانوس ہو کر اس کی قربت اختیار کرتا ہے اور اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اللہ کو اپنے گناہگار بندوں سے بڑی محبت ہے، اس لیے کہ ان کی نظر تو فقط خدا کی رحمت اور مغفرت پر ہوتی ہے اور یہ نعمتوں اور جنتوں کے طالب نہیں ہوتے۔ اسی لیے رحمتِ حق بھی دکھی دلوں، منکسر طبیعتوں اور شرمسار نگاہ والوں کو اپنی بے پایاں رحمت اور اپنی عظیم مغفرت سے نوازتی ہے۔

۳۔ پیکرِ عدالت و امانت

انسان کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے کے لیے ایک ضابطہ اور اصول؛ کردار میں عدالت اور امانت کو پیدا کرنا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں مذکور مالک یوم الدین کا معنی و مفہوم یہی ہے کہ ہر نیکوکار اور ہر بدکار کو اپنے عمل کا صحیح بدلہ، جزا اور سزا کی صورت میں مل کر رہے گا۔ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ یوم الدین صحیح معنوں میں یوم العدل ہوگا۔ جب حقیقی زندگی میں ہر شخص کو وہی مقام ملے جس کا وہ حقیقت میں مستحق اور اہل ہے تو اس عمل کو ہی عدل کہتے ہیں اور اگر حقدار کو صحیح مقام نہ ملے یا غیر اہل کو وہ مقام ملے جس کا وہ حقدار نہ تھا تو اسی کا نام ظلم ہے۔ ظلم کی خصلت انسانوں کی ہے جبکہ اللہ کی سنت اپنی مخلوق پر رحمت و مغفرت کی ہے۔ اس لیے وہ اس حقیقت کو بڑے واشگاف الفاظ میں بیان کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ۔ (یونس،۱۰:۴۴)

’’بے شک اللہ لوگوں پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ (خود ہی) اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنا تعارف رحمن و رحیم سے کروایا وہاں مالک یوم الدین کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو باور کرا رہا ہے کہ صفت رحمت میری کمزوری بھی نہیں کہ میں عذاب کے حقداروں کو عذاب ہی نہ دوں۔ سن لو! میں جبار و قہار ہو کر ظالموں کو سزا دینے والا ہوں۔ میری رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ مظلوموں کو رحمت میسر آئے اور ظالموں کو سزا اور قہر و غضب میسر آئے۔

مسلمان کے اندر مظلوموں کے لیے حمایت اور ظالموں کے لیے عقوبت کے جذبات پائے جائیں تو سمجھ لیں کہ اس کی شخصیت متوازن ہے۔ اللہ رب العزت کی شان ربوبیت بھی رحمت اور عدالت کی صفات سے متصف ہے اگر ان دونوں میں کوئی ایک بھی مفقود ہو جائے تو اس کا نظام ربوبیت درہم برہم ہو جائے۔ اسی طرح انسان کی شخصیت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اس میں عدالت اور امانت کی صفات پائی جائیں تاکہ وہ صفت رحمت کے باعث محض نرمی کا برتاؤ نہ کرے اور یوں اپنی شخصیت کو کمزور نہ بنا بیٹھے بلکہ رحمت کے ساتھ ساتھ عدالت کا وصف بھی پایا جائے، جس کی وجہ سے وہ ہر ظالم و مظلوم، طاقت ور اور کمزور اور مستحق و غیر مستحق کو اپنے مقام پر رکھ سکے۔ وہ معاملات زندگی اور اپنے فرائض منصبی نبھاتے ہوئے کسی طاقت ور سے مرعوب ہو اور نہ ہی کسی کمزور کی کمزوری سے متاثر ہو سکے۔ کسی امیر کی امارت اور کسی دولتمند کی دولت اسے عدل سے منحرف نہ کر سکے اور کسی غریب کی غربت اور بے کس کی بے کسی اور قابل رحم حالت اسے عدل سے الگ کر کے ظلم نہ کرنے دے۔

ایک متوازن شخصیت و کردار وہ ہے جس میں جذبات شفقت بھی ہوں اور حق کے خلاف طاقتِ انتقام بھی ہو تاکہ مظلوموں کی داد رسی کر سکے اور ظالموں کو عبرتناک انجام تک پہنچا سکے۔ حتی کہ مرد مومن بن کر اور ایک متوازن شخصیت و کردار بن کر اقبال کے اس شعر کا مصداق بن جائے۔

؎ ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

۴۔ پیکرِ استغناء

https://www.minhaj.info/

تعمیر ذات اور شخصیت اور کردار کے لیے ایک اور اصول وضابطہ یہ ہے کہ مسلمان پیکر استغناء ہو اور اپنی عزت نفس کا ہر لحہ پاسباں ہو۔ یہ ضابطہ انسان کو ایاك نعبد وایاك نستعین کے انقلاب آفریں کلمات عطا کرتے ہیں۔ انسان پوری دنیا کے ناخداؤں اور فرعونوں کے سامنے ان کلمات کے ذریعے یہ برملا اعلان کرتا ہے:

میرا سر خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکے گا اور نہ میرا دستِ طلب خدا کے سوا کسی اور کے سامنے دراز ہوسکے گا۔۔۔ اے مولا! تیرے سوا نہ کسی کے خوف سے جبین نیاز جھکاؤں گا اور نہ ہی دنیا کی کوئی حرص ولالچ مجھے کسی کے سامنے سر تسلیم خم کراسکے گی۔۔۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا آمر و مقتدر کیوں نہ ہو اور کتنا ہی بڑا نمرود و فرعون کیوں نہ ہو، وہ میرا سر تو کاٹ سکتا ہے مگر میرے سر کو اپنے سامنے جھکا نہیں سکتا۔۔۔ میں تیرا بندہ ہوں، تیری بندگی ہی میری کل زندگی ہے، میں اس میں کسی اور کو شریک ہرگز ہرگز نہ کروں گا۔۔۔ دنیا کے بڑے بڑے قارونوں کے سامنے میرا دامنِ سوال کبھی دراز نہ ہوسکے گا۔۔۔ میں کٹ تو سکتا ہوں مگر میرا ضمیر بک نہیں سکتا۔۔۔ اے اللہ! میں تیرے سوا دنیا کی ہر طاقت سے مستغنی ہوں، یہی میری بندگی ہے۔۔۔ اپنی اس بندگی کو استغناء کی زندگی سے آشنا کرتا ہوں اور اپنی بندگی کو ہر حال میں عزتِ نفس کی پابندی کی زندگی بناتا ہوں اور اپنی خودی کی اس زندگی میں خوب حفاظت کرتا ہوں۔۔۔ دولتمندی اور امیری کی قوت کو بھی اس فقیرانہ زندگی کا اسلوب بدلنے نہ دوں گا۔ اس لیے اقبال نے کہا:

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

۵۔ پیکرِ تواضع وانکساری

انسان کی ذات اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے لیے قرآن ایک اور ضابطہ سورہ فاتحہ کے ذریعے پیکر تواضع وانکساری اور سراپا عجز و نیاز مندی بننے کا دیتا ہے۔ یہ اصول شخصیت سازی اهدنا الصراط المستقیم کے کلمات کے ذریعے دیتا ہے۔ اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ استغنا کا تصور رفتہ رفتہ انسان کے اندر تکبر و غرور سے بدل جائے۔ اس لیے کہ استغنا اور تکبر ان دونوں کی سرحدیں قریب قریب ہوتی ہیں جن کے درمیان فرق کو بہر طور پر پیش نظر رکھنا ہے۔ عدمِ التفات اور بے پرواہی کا وطیرہ اگر فرعون صفت، طاقتور اور ظالم و جابر لوگوں کے ساتھ رکھا جائے تو اس کا نام استغناء ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس اگر یہی وطیرہ کمزور غریب اور بے کس و مظلوم افراد کے ساتھ رکھا جائے تو اس کا نام تکبر بن جاتا ہے۔ اسی لیے بیان کیا گیا ہے:

التکبر مع المتکبرین عبادۃ۔

”متکبر افراد کے ساتھ تکبر کرنا عبادت ہے۔“

گویا متکبر افراد سے استغنا برتنا نیکی ہے اور کمزور افراد سے استغنا کرنا گناہ عظیم ہے۔ متکبرین کے ساتھ استغنا انسانی عزت کی علامت ہے جبکہ ضعیفین کے ساتھ استغنا انسانی ذلت کا نام ہے۔ اهدنا الصراط المستقیم کے کلمات کے ذریعے انسانی شخصیت میں تواضع وانکساری کے احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ بارگاہ الٰہی میں سراپا عجز وسوال بن کر عرض کرتا ہے:

اے مولا میں عاجز و بے کس ہوں، میری سوچ میں خطا کے سوا کچھ نہیں، بس صرف تیری ہی ذات ہے جو مجھے راہ راست پر لاسکتی ہے اور حقیقی زندگی کی دولت سے بہرہ ور کرسکتی ہے۔

جب انسان یہ مسلسل اظہار کرنے لگتا ہے تو اس کے اندر تواضع، انکساری اور نیاز مندی کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ حقیقتِ بندگی یہی ہے کہ انسان خود کو اللہ کے حضور عاجز و ناتواں سمجھے۔ جو شخص جس قدر بارگاہ الوہیت میں جھکتا جائے گا، اسی قدر بلند ہوتا جائے گا اور جس قدر عجز و نیاز اور گریہ و زاری کا مظاہرہ کرے گا، اسی قدر وہ عظیم ہوتا جائے گا۔ اس لیے کہ عبدیت کی انتہا غایت تذلل ہی ہے۔ اسی صورت میں بندے پر خدا کی عطاؤں کے دروازے کھلتے ہیں اور بارگاہ ایزدی سے بزرگی و عظمت کا تاج پہنایا جاتا ہے۔ بندہ وہ ہے جو ہر لحظہ اللہ کے حضور سوالی بن کر رہے اور ہر حال میں اس کی عطاؤں کی بھیک مانگتا رہے اور اپنی طلب کا دامن ہر لحظہ دراز رکھے۔ اپنی حسنِ طلب کو

https://www.minhaj.info/

بڑھاتا رہے اور اپنے بشری ظرف کو بندگی کے ظرف میں بدلتا جائے تو پھر رب کی عطا بندے پر مہربان ہو جاتی ہے اور اس کا کرم بندے کو اپنی طرف بلاتا رہتا ہے۔

؎ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

۶۔ پیکرِ اعتدال و توازن

انسان کی شخصیت و کردار کی تعمیر کا ایک ضابطہ اور اصول اس کا پیکر اعتدال و توازن ہونا بھی ہے۔ یہ ضابطہ ہمیں قرآن حکیم کے ان کلمات اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولاالضالين سے میسر آتا ہے۔ اس لیے کہ راستے تین طرح کے ہیں:

۱۔ ایک راستہ غضب کا ہے

۲۔ دوسرا راستہ ضلالت کا ہے

۳۔ تیسرا درمیانی راستہ نعمت کا ہے۔

تیسرے راستے یعنی طریقِ نعمت کی مخالفت دو سمتوں سے ہوتی ہے: ۱۔ افراط کی سمت سے۔ ۲۔ تفریط کی سمت سے۔

افراط اور تفریط دونوں سے بچاؤ کا راستہ اعتدال اور توازن کا ہے۔ اللہ رب العزت نے امت مسلمہ کو امت وسط بنایا ہے اور اس امت کے ہر فرد اور ہر مسلمان کو بھی اپنی زندگی میں معتدل اور متوازن رہنے کی تاکید کی ہے۔ اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ (البقرہ، ۲:۱۴۳)

’’اور اے مسلمانو! اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔‘‘

قرآن تمام مسلمانوں کو افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کی راہ پر گامزن رہنے کی تلقین کرتا ہے اور یہ بات سمجھاتا ہے کہ اللہ کی رحمت کے حصول کی راہ اعتدال ہے۔ افراط سے انسان خدا کے قہر و غضب کا شکار ہوتا ہے اور تفریط سے انسان گمراہی کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ یہ دونوں انتہا پسندی کے راستے ہیں جبکہ اعتدال میانہ روی کا راستہ ہے۔ انسان کے اعضاء و جوارح میں بھی باہمی تناسب اور اعتدال ہے اور انسانی شخصیت کا حسین و جمیل ہونے کا نسخہ بھی صرف اعتدال و توازن ہے۔ حتی کہ باری تعالیٰ نے انسان کو اپنی بول چال، خرچ، طعام، لباس، معاملاتِ زندگی الغرض ہر حوالے سے اعتدال کے وصف کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

اگر ہم ساری کائنات میں غور و فکر کریں تو اجرامِ فلکی، نظامِ شمسی کے ارکان اور تمام متحرکات عالم اپنی ایک ایک حرکت میں اعتدال و توازن کی گواہی و شہادت دے رہے ہیں۔ بصورت دیگر یہ سارے کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اسی طرح انسانی صحت ہو یا انسان کا ظاہری حسن و جمال، حسن نباتات ہو یا دلکشیٔ عمارات، نغمات کے الفاظ و تراکیب ہوں یا ان کی صوتی حلاوت و دلکشی، سب کچھ صرف اور صرف تناسب و اعتدال کا ہی کرشمہ ہے۔ اگر ان سب چیزوں میں اعتدال نکال دیا جائے تو کچھ بھی باقی نہ رہے اور کسی بھی چیز کا حسن و جمال قائم نہ رہے۔ اسی طرح یہی حسن اعتدال و توازن انسان کے عقیدہ و عمل میں بھی درکار ہے۔ اگر اس میں سے یہ اعتدال و توازن ختم ہو جائے تو اسے بدعقیدگی اور بداعمالی کہتے ہیں۔ پس انسان کی شخصیت کی کل خوبصورتی اعتدال اور توازن سے ہی قائم ہوتی ہے بصورت دیگر انسانی شخصیت غیر متوازن ہو کر رہ جاتی ہے۔

۷۔ پیکرِ حق گوئی

انسانی شخصیت اور اس کے کردار کی تعمیر کا ایک انتہائی اہم ضابطہ اور اصول حق و باطل کے مابین واضح امتیاز کا ہے اور انسان کو اس کا پیکر ہونا بھی ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے وہ اپنی زندگی میں ہر سطح پر حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے والا بنے۔ اس کارگہ زیست میں از اول تا آخر صرف دو ہی راستے ہیں:

۱۔ راہِ حق ۲۔ راہِ باطل

ایک سچائی کی راہ ہے اور دوسری جھوٹ اور برائی کی راہ ہے۔ آفرینش عالم سے انسانی طبقات کے درمیان جب بھی جنگ و جدال اور تضاد و تصادم کی صورت حال پیدا ہوئی ہے تو اس میں حق و باطل کے امتیاز کا بھی کسی نہ کسی صورت میں دخل رہا ہے اور یہی تصور اختلاف و تصادم کا سبب بھی بنتا رہا ہے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ انسان نے حق اور باطل کے تعین میں ٹھوکریں ضرور کھائی ہیں لیکن یہ ان دونوں کے شعور سے کبھی دستبردار نہیں ہوا ہے۔

یاد رکھیں کہ حق اور باطل کے درمیان امتیاز کا شعور کبھی انسان کا ذاتی مفاد و نفع نہ ہو بلکہ اللہ رب العزت کا انسانوں کو عطا کردہ شعور اور تعلیمات اسلام کے صائب فہم سے ہی حق و باطل کے امتیاز کا شعور پیدا کریں۔ ذاتی مفاد کی محبت اور دوسرے انسان کی عداوت و نفرت وجہ امتیاز حق و باطل نہ بنے۔ حق انسانی شخصیت کے اندر کلی اور ہمہ گیر انقلاب کا نام ہے، جزوی تبدیلی کا نام حق نہیں ہے۔ اگر حق انسانی شخصیت و کردار میں خالصتاً جاگزیں ہو تو اسے ایمان کہتے ہیں اور اگر باطل خالصتاً جاگزیں ہو تو اسے کفر کہتے ہیں اور اگر حق و باطل دونوں کے رجحانات باہم ملے جلے ہوں اور دونوں کی آمیزش ہو تو اسے منافقت کہتے ہیں۔ اس لیے قرآن اعلیٰ کردار اپنانے کے لیے اسلام میں کامل دخول کی تلقین کرتا ہے اور اسی عمل کو انسان کی شخصیت اور کردار کی کامیابی سے تعبیر کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۔ (البقرہ، ۲:۲۰۸)

”اے ایمان والو! اسلام میں یعنی حق کے عمل میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔“

اس کا نتیجہ یہ ہوگا فرمایا:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ (آل عمران، ۳:۱۳۹)

”اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔“

اسلام میں داخل ہونا اور مسلمان بننا ازخود اعلیٰ کردار کو اختیار کرنا ہے اور خود کو قابل رشک شخصیت بنانا ہے اور اپنے کردار کو دوسرے کے لیے مشعل راہ بنانا ہے اور اپنی ذات اور کردار کو اسلام کی حقانیت کی شہادت بنانا ہے۔ کردار کا مسلمان ہونا صرف ثوابی ہونا نہیں بلکہ انقلابی ہو کر پورے عالم انسانیت کے سامنے شہادتِ کردار سے صداقتِ اسلام کو ثابت کرنا ہے۔ اس لیے کسی نے کیا خوب کہا:

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

اے مسلمانِ عصر! تو ایسا انسانِ زمانہ بن جس کی زندگی کا صرف سال نہ بدلے بلکہ اس کا کردار بھی بدلے۔۔۔ جس کے اندر حیوانیت کا خاتمہ ہو اور اعلیٰ درجے کی انسانیت آئے۔۔۔ جو اعلیٰ رویوں کا مالک ہو۔۔۔ جو ارفع اقدار کا مرقع ہو۔۔۔ جو بلند سوچ کا حامل ہو۔۔۔ جو بہترین خصائل اور عمدہ اطوار میں کامل ہو۔۔۔ جس میں سب انسانوں کے لیے جذبۂ خیر ہو۔۔۔ جو اپنے وجود اور اپنی شخصیت میں دوسروں کے لیے نفع رساں ہو۔۔۔ جس کے اخلاقِ حسنہ کی گواہی زمانہ دے۔۔۔ جو حرص و لالچ کا بندہ نہ ہو بلکہ اخلاص و محبت کا پیکر ہو۔۔۔ جو صرف اپنے لیے زندہ نہ رہے بلکہ دوسروں کے لیے جینے والا ہو۔۔۔ جو ہر لمحہ اپنے اخلاق و کردار کی اصلاح کرنے والا ہو اور ان کو اعلیٰ و ارفع منزل کی طرف گامزن کرنے والا ہو۔

❁❁❁❁❁

شرفِ انسانیت کے قرآنی امتیازات

انسان کو اللہ نے عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے

انسان کو چاہیے نعمت ملنے پر شکر ادا کرے اور چھن جانے پر ناشکرا نہ بنے

محمد شفقت اللہ قادری

انسان طبعاً کمزور واقع ہوا ہے، نعمت حاصل ہونے پر شکر ادا نہیں کرتا مگر چھن جانے پر ناشکرا ہو جاتا ہے۔ دکھ تکلیف میں اللہ کو پکارتا ہے مگر جب رب تعالیٰ تکلیف دور فرما دیتے ہیں تو وہی انسان ابن الوقت اور انتہا بد لحاظ ہو جاتا ہے کہ خالقِ کائنات، پروردگارِ عالم کا احسان بھی فراموش کر دیتا ہے۔ انسان فطرتاً جلد باز پیدا ہوا ہے، نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہو جانے پر مغرور اور بد دماغ ہو جاتا ہے، روگردانی اور طوطا چشمی پر اتر آتا ہے اور رب تعالیٰ کی طرف سے بھی منہ پھیر لیتا ہے۔ انسان یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ کبھی وہ قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔ وہ اپنی پیدائش پر غور کرے تو اسے روئے کائنات میں بھاگنے کی جگہ نہ ملے۔ بے شک انسان کو عطا فقط اللہ تعالیٰ کرتے ہیں لیکن اتنا ملتا ہے جتنی وہ سعی اور کوشش کرتا ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ (النجم، ۵۳:۳۹)

”اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)۔“

قرآن کی رو سے انسان کی تخلیق کا مقصد بندگی اور عبادت ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔

”اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔“ (الذاریات، ۵۱:۵۶)

مگر افسوس صد افسوس کہ انسان فساد فی الارض کا مرتکب ہو گیا، ظلم و بربریت اور معاشرتی حق تلفی کی حد کر دی اور اسلامی اقدار و شعار ہی بھول گیا:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۔

”اور تو اس (دولت) میں سے جو اللہ نے تجھے دے رکھی ہے آخرت کا گھر طلب کر، اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول اور تو (لوگوں سے ویسا ہی) احسان کر جیسا احسان اللہ نے تجھ سے فرمایا ہے اور ملک میں (ظلم، ارتکاز اور استحصال کی صورت میں) فساد انگیزی (کی راہیں) تلاش نہ کر، بے شک اللہ فساد بپا کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“ (القصص، ۲۸:۷۷)

عبد کی اقسام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنی تصنیف ”اقبال کا مردِ مومن“ میں انسان کو قرآنی اصطلاح دیتے ہوئے ”عبد“ لکھا ہے اور عبد کی تین قسموں کا ذکر کیا ہے جو نہایت قابلِ غور ہے:

☆ سینئر ریسرچ اسکالر، فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور

https://www.minhaj.info/

۱۔ عبدِ آبق

وہ بندہ جو مالک کی اطاعت اور فرمانبرداری سے بھاگ گیا ہو، عبدِ آبق کہلاتا ہے یعنی ایسے بندگانِ خدا جو خالق ومالک کی اطاعت، محبت سے روگردانی کرکے معبودانِ باطلہ کے اسیر ہوگئے ہوں اور جھوٹے خداؤں کی پوجا میں مشغول ہوں یعنی صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے لوگ۔ میری نظر میں ایسی زندگی گزارنے والے انسان بے مقصد اور غفلت شعار زندگی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۲۔ عبدِ رقیق

یہ وہ بندگان خدا ہیں، جو اللہ کی اطاعت و محبت کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالے رہتے ہیں اور اس کی اطاعت بجالانے میں غفلت و کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ بندے احکامِ الٰہی کی پیروی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ وہ دانستہ یا نادانستہ اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے معصیت کا ارتکاب کرنے سے خوف زدہ رہتے ہیں۔

۳۔ عبدِ ماذون

یہ بندے اللہ کی عبادت کرتے کرتے رضائے الٰہی میں ایسے گم ہوجاتے ہیں کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، بولنا، سکوت اختیار کرنا، جینا مرنا، ہر فعل اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد فقط خوشنودی و رضائے الٰہی ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ قرآن کی اطاعت و متابعت میں زندگی گزارنے کا قرینہ وسلیقہ پاچکے ہوتے ہیں۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۲ میں ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

’’کہہ دیجئے میری نمازیں، میری قربانیاں، میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔‘‘

علامہ محمد اقبالؒ نے قرآن عظیم میں بیان کردہ انسانِ مرتضٰی اور نفس کاملہ عبدِ ماذون ہی کا نام مردِ مومن رکھا ہے۔

الوہی ہدایات

میری نظر میں جب یہی عبدِ ماذون نظامِ ربوبیت کے تحت شعوری ارتقاء کی الوہی منازل طے کرلیتا ہے تو مطابق شیخ الاسلام بندۂ مومن مندرجہ ذیل پانچ ہدایاتِ الوہی سے نواز دیا جاتا ہے:

۱۔ ہدایتِ فطری: اسے ہدایت وجدانی بھی کہتے ہیں، یہ الہامی طور پر انسان کے اندر موجود ہوتی ہے۔

۲۔ ہدایتِ عقلی: یہ ہدایت؛ فقط عقل، فہم و فراست اور تدبر سے میسر آتی ہے۔

۳۔ ہدایتِ حسّی: یہ ہدات؛ احساس و مروت، ادراک اور حواس خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی کی جملہ قوتوں کا سرچشمہ اور ہیڈ کوارٹر ہے۔ قرآن نے اس امر کی تصدیق سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۶ اور سورہ ملک آیت ۲۳ میں وضاحت سے کردی ہے۔

۴۔ ہدایتِ قلبی: یہ قلبی اور ارادی طور نصیب ہوتی ہے۔

۵۔ ہدایتِ ربانی: جو اطاعتِ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں انھیں یہ ہدایت خدا تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتی ہے۔

مقاصدِ تخلیقِ انسان اور ہمارا طرزِ عمل

جب بنی نوع انسان کی بے راہ روی اور روگردانی حد سے بڑھتی ہے تو ہدایت کا راستہ بند کردیا جاتا ہے۔ ذیل میں انسان کی تخلیق کے مقصد کو قرآن مجید کی روشنی میں واضح کرتے ہوئے انسان کے طرزِ عمل کو بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ خالقِ عظیم نے انسان کو فطرت پر تخلیق کیا تاہم یہ اپنی فطرت سے ہی روگرداں ہوگیا، فطرتِ الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ یہ اس فطرت کی اتباع اور پیروی کرے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ (الروم، ۳۰:۳۰)

’’اللہ کی (بنائی ہوئی) فطرت (اسلام) ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے (اسے اختیار کرلو)۔‘‘

۲۔ افسوس! انسان نے تو خالقِ کائنات کی اس قسم کی بھی لاج نہ رکھی جو اس نے انسان اور انسان کی جان کی کھائی۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا۔ (الشمس، ۹۱:۷)

’’اور انسانی جان کی قسم اور اسے ہمہ پہلو توازن و درستگی دینے والے کی قسم۔‘‘

۳۔ انسان تو خدا کی زمین پر فساد پر تلا ہوا ہے اور اس کے شر سے کوئی محفوظ نہیں ہے۔ انسان کو معلوم ہے کہ خدا فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے مگر افسوس کہ یہ اپنی اس حیثیت اور اوقات بھول گیا ہے جو قرآن نے بتائی ہے۔ کاش انسان اس کو یاد رکھے اور خدا کی زمین پر اکڑ کر نہ چلے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔

’’اور بے شک ہم نے انسان کی (کیمیائی) تخلیق ایسے خشک بجنے والے گارے سے کی جو (پہلے) سِن رسیدہ (اور دھوپ اور دیگر طبیعیاتی اور کیمیائی اثرات کے باعث تغیر پذیر ہو کر) سیاہ بو دار ہو چکا تھا۔‘‘(الحجر، ۱۵:۲۶)

۴۔ انسان اپنی خو میں خود غرض، خود پسند اور لالچی ہے۔ اگر خالقِ کائنات اپنے خزانے اور مخلوقات کا رزق اس کے رحم و کرم پر دے دیتا تو یہ اپنے علاوہ کسی پر کچھ خرچ نہ کرتا، نجانے یہ اتنا تنگ دل کیوں واقع ہوا ہے کہ قرآن کو بھی کہنا پڑا کہ

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۔ (بنی اسرائیل، ۱۷:۱۰۰)

’’اور انسان بہت ہی تنگ دل اور بخیل واقع ہوا ہے۔‘‘

۵۔ حیرت ہے کہ انسان نماز میں پانچ وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتا نہیں تھکتا لیکن اگر کوئی سائل اس کے دروازے پر دوسری مرتبہ دستِ سوال دراز کرے تو یہ آگ بگولہ نہ جانے کیوں ہو جاتا ہے؟ حالانکہ اِس سے اُس میں سے مانگا یہ جا رہا ہے جو اسے رب الارباب نے دیا ہے۔

انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ بڑائی اور کبریائی فقط خالقِ ارض و سماوات کی شان ہے مگر اس نے فرعونیت اور رعونت کی انتہا کر دی اور تکبر نے اسے پست کر دیا۔ کاش یہ جان جائے کہ رب کائنات تکبر کرنے والے کو ناپسند فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔

’’بے شک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہو۔‘‘(النساء، ۴:۳۶)

۶۔ انسان اپنی حقیقت سے غافل ہے۔ کیا اس نے غور نہیں کیا کہ خدا نے اسے نطفۂ مخلوط سے تخلیق کیا تو کرشمہ خداوندی کے باعث یہ خوبصورت چلتا پھرتا چھ فٹ کا تندرست توانا انسان بن گیا۔ کاش یہ غور کرے کہ ہوا کا ایک بلبلہ نکلنے کے باعث ایک لمحہ میں یہ فنا ہو جاتا ہے، اس کا نام فرعون ہو، قارون ہو، شداد ہو، نمرود ہو، یزید ہو، ابولہب، ابوجہل ہو، ہٹلر ہو، ہلاکو خان ہو، یا چنگیز خان۔ اس کا انجام آخر میں مٹی یا آگ ہے۔

انسان کو خالقِ عظیم نے اچھی صورت پر تخلیق کیا۔ کاش یہ اس عظیم احسان کی قدر کرتا مگر افسوس کہ یہ اپنے قالبِ خاکی میں اچھی شہرت بھی نہ بھر سکا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ (التین، ۹۵:۴)

’’بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے۔‘‘

۷۔ انسان کو رب کائنات نے اشرف المخلوقات بنایا لیکن دوسری مخلوقات اس سے بازی لے گئیں اور یہ خسارے میں رہا، کاش یہ غور کرتا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔

’’اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیا۔‘‘(بنی اسرائیل، ۱۷:۷۰)

۸۔ انسان خدا کی زمین پر اتراتے پھرتا ہے جبکہ رب کائنات شیخی مارنے والے اور اترانے والوں کو ہرگز پسند نہیں فرماتے:

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۔ (القصص،۲۸:۷۶)

”غرور نہ کر بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

۹۔ انسان کو نجانے کس چیز نے ناشکرا اور احسان فراموش بنادیا ہے جبکہ فطرتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہرگز نہ تھا۔ خالقِ کائنات شکر کرنے والے اور احسان ماننے والے کو مزید عطا فرماتے ہیں:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ (ابراہیم،۱۴:۷)

”اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے۔“

انسان کو خدا نے تخلیق کیا مگر یہ اتنا گھمنڈی اور متکبر ہو گیا کہ اپنے تئیں خدا بننے چلا کیونکہ جب یہ کہتا ہے کہ میں ہر صورت یہ کام کرکے دکھاؤں گا تو اس نے خدا بننے کی کوشش کی کیونکہ یہ حکمِ کُن فیکون خالق کائنات کی ہی شان عظیم ہے۔ اگر یہ ہر بات پر اللہ اللہ کہہ دے تو خداوند عظیم کی پناہ میں آجائے گا۔

۱۰۔ انسان کتنا ناسمجھ واقع ہوا ہے کہ ہر بات پر کہتا ہے کہ رب تعالیٰ انصاف فرما۔ ارے ناداں! تو اس سے انصاف نہیں، فقط اس کا فضل مانگ اگر اللہ انصاف اور عدل کرنے پر آگیا تو ہو سکتا ہے تم گرفت میں آجاؤ کیونکہ بخشش عدل پر ناممکن ہے، بخشش فقط فضل ربی پر ہی ہے۔ کیونکہ

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (البقرہ،۲:۱۰۵)

”اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔“

۱۱۔ انسان تو مسجودِ ملائکہ ہے، مگر حیرت ہے کہ یوم الست رب سے کیا معاہدۂ الست بھی بھول گیا اور اپنے خالق کو بھی بھلا بیٹھا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا۔ (الاعراف،۷:۱۷۲)

”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں؟ (تو ہی ہمارا رب ہے)۔“

جبکہ ابلیس نے بھی خالق عظیم سے ایک وعدۂ بدبختی کیا تھا کہ رب کائنات میں تیرے گمراہ بندوں کو صراط مستقیم سے دور کردوں گا۔

لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا۔

”اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دے تو میں اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے (اپنے قبضہ میں لے کر) جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔“ (بنی اسرائیل،۱۷:۶۲)

افسوس کہ وہ اپنے معاہدہ پر قیامت تک ڈٹا ہوا ہے اور انسان کی جڑیں کاٹ رہا ہے جبکہ ہم اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو بھلا بیٹھے ہیں۔

۱۲۔ انسان کو اللہ نے عدل انصاف کا حکم دیا، مگر اس نے اپنی خُو نہ بدلی اور ظلم استبداد پر اتر آیا۔ کبھی غیبت کی صورت میں اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے اور کبھی ہوس ولالچ میں آکر اس کا خون بہاتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے اسے ظاہر و باطن میں عاجزی، نرمی اور شفقت کا حکم دیا تھا۔ انسان کو رب تعالیٰ نے اپنی زمین پر اکڑ کر چلنے سے منع فرمایا ہے مگر اس کی رعونت اور تکبر تھمنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ جبکہ اللہ بدمستوں کو قطعی پسند نہیں فرماتے۔ ارشاد قرآنی ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ (لقمان،۳۱:۱۸)

”اور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رخ نہ پھیر، اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بے شک اللہ ہر متکبّر، اِترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہیاور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رخ نہ پھیر، اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بے شک اللہ ہر متکبّر، اِترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہے۔“

۱۳۔ انسان کو خالقِ کائنات نے احسان کرتے ہوئے اپنا حق دوسروں کے لیے چھوڑنے کا حکم دیا مگر یہ مظلوم، یتیم، مسکین اور بیوہ کا جائز حق بھی غصب کر گیا۔ یاد رکھیں کہ احسان کا مطلب نیکی کرنا ہے:

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (البقرہ،۲:۱۹۵)

”اور نیکی اختیار کرو، بے شک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے۔“

فطرت الٰہیہ پر پیدا ہونے والے انسان! تجھے غصہ پینے کا حکم ہوا تو تونے شراب پینی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ انسان کا خون بھی۔۔۔ تجھے حسد کی آگ سے بچنے کا حکم دیا گیا مگر تو حسد کی آگ میں صبح و شام جل کر خاکستر ہی ہو گیا۔۔۔ تجھے رحمن نے بلایا مگر تو شیطان کی طرف بھاگ گیا۔۔۔ تجھے خالق نے معاف کرنے کا حکم دیا مگر تم نے بدلہ لینے کی حد کر دی۔۔۔ تجھے عدل و انصاف کا حکم ہوا مگر تونے حق تلفی کی حد کر دی۔۔۔ انسان تجھے صبر کا حکمِ الٰہی ہوا مگر تم نے جبر کی حد کر دی۔۔۔ انسان تجھے فضول خرچی سے منع کیا گیا مگر تونے سخاوت سے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔۔۔ انسان تجھے غربت ختم کرنے کا حکم ہوا مگر تم نے غریب ہی مار ڈالا۔۔۔ انسان تجھے اللہ کی رسی مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہوا مگر تم نے رسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال کر خودکشی کر لی اور حرام موت مر گیا۔۔۔ انسان تجھے معلوم ہے کہ مومن عورتوں پر تہمت لگانا، دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ہے مگر حیرت ہے کہ تم کتنی مرتبہ لعنت کے حقدار ٹھہرائے گئے۔

اے انسان! اِن اعمال کے ہوتے ہوئے دل سے یہ بھول نکال دو کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت ظالم اور غاصب پر بھی ہو گی۔ شفاعت رسالت مآب ﷺ کا حقدار عفو و درگزر والا ہی ہوگا۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ معافی کی معراج مزید احسان کرنا ہے۔ اچھے اخلاق، حکمت، تدبر، دانائی، قانون، غور و فکر اور اسلامی تہذیب و تمدن کی بالادستی میں ہی تیری بقا ہے۔ اچھے اعمال اور فنافی اللہ و فنافی رسالت مآب میں دائمی بقا کا راز مضمر ہے۔

فضیلت و شرفِ انسانی کے امتیازات

اللہ رب العزت کی طرف سے انسان کو فضیلت اور شرف کے جو امتیازات عطا ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ انسان کو رب العزت کی جانب سے پہلا شرف اور فضیلت علم کی بنیاد پر ہے، جس نے آدمؑ کو فرشتوں میں بھی برتری عطا کر دی اور انسان کو مسجودِ ملائکہ بنا دیا۔

۲۔ فضیلتِ انسانی کی برتری اور اشرف المخلوق ہونے کا دوسرا امتیاز اخلاقیات ہے۔ اخلاق عربی زبان کا لفظ ہے اور لفظ اخلاق؛ خلق کی جمع ہے۔ اچھے اخلاق کو فضائل اخلاق اور برے اخلاق کو رذائل اخلاق کہتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

”میں صرف اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔“

یعنی مجھے ایسی تعلیمات کا منبع اور سرچشمہ بنا کر بھیجا گیا ہے جو اخلاق حسنہ کی پیروی کی تعلیم سے سرشار ہے۔ قرآن نے محمد مصطفی ﷺ کے اخلاق کو انسانیت کا شرف بنایا اور حضور اقدس ﷺ کے اخلاق کو نمونہ اخلاق کا کمال قرار دیا۔ ارشاد قرآنی ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ۔ (القلم، ۶۸:۴)

”اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ الٰہیہ سے متّصف ہیں)۔“

۳۔ اللہ نے انسان کے شرف اور برتری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے زمین پر اپنا نائب مقرر کر کے اسے شرف و امتیاز عطا فرمایا۔

۴۔ بلاشبہ خالقِ عظیم کی طرف سے انسان کو آفاقی تعلیم سے سرفراز فرمانا اور صاحبِ تکریم بنا کر بھیجنا ایک اعلیٰ انسانی امتیاز ہے۔

۵۔ خالقِ کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات بنانے کے لیے اسے متناسب اعتدالی ساخت پر پیدا فرما کر اسے منفرد مقام عطا فرمایا۔

یہ بات قرآنی مطالعہ سے ثابت ہے کہ قرآن کا موضوع حضرت انسان ہے اور تہذیبی معاشرتی اقدار کے تمام سُوتے شرفِ انسانیت سے پھوٹتے ہیں۔ طبقاتی امتیازات اور انسانی برتری کے تمام ممتاز اصول قرآن نے واضح کر دیئے ہیں۔ ھبوط آدم علیہ السلام یعنی کہ نزول آدم بھی مصلحتِ خداوندی اور حکمتِ الٰہی کا آئینہ دار ہے۔ انسان کو رب کائنات نے اپنی فطرت الٰہیہ کے عین مطابق تخلیق کیا اور اسی کی پیروی اور اطاعت کا حکم دیا ہے۔

❀❀❀❀❀

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حیات و سیرت کے نمایاں گوشے

زمانہ جاہلیت میں بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بت پرستی کو اچھا نہیں گردانتے تھے

ڈاکٹر شفاقت علی البغدادی الازہری

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ باکمال مرتبہ ہستی ہیں جنہوں نے تمام مردوں میں سے سب سے پہلے ایمان قبول کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ ان عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں جنہوں نے زبان حبیب ﷺ سے سب سے پہلے جنت کی بشارت پائی۔ آپ رضی اللہ عنہ عکس وآئینہ ذات و سیرت رسول ﷺ ہیں جنہوں نے وصالِ رسول ﷺ کے بعد خلیفۃ المسلمین ہونے کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ رضی اللہ عنہ وہ سخی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے گھر کا سارا مال سب سے پہلے اعلائے کلمۃ اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کثیر گوشوں کی مالک ہے، ان میں سے چند نمایاں گوشے درج ذیل ہیں:

بلاتردد قبولِ اسلام

آپ اسلام سے قبل بھی نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے بے حد متاثر تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کی مجالست و مصاحبت میں کمال درجہ کا سکون و اطمینان محسوس کیا کرتے تھے۔ الغرض جب آپ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کے پاس نیا دین لائے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت، اخلاص کے ساتھ کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، شرک سے منع فرما رہے ہیں اور اخلاقِ حسنہ کو زیب تن کرنے کے عظیم احکامات ارشاد فرماتے ہیں تو بغیر حیل وحجت اور تاخیر کے آپ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے در دولت کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ دولتِ اسلام سے اپنے سینہ مبارک کو مشرف بہ اسلام کریں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ چوکھٹِ مصطفیٰ ﷺ پر پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آقائے دوجہاں رسول عربی حضرت محمد ﷺ باہر تشریف لے آئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا:

ما الذی بلغنی عنك يا أبا القاسم

اے ابو القاسم! یہ مجھے آپ کے بارے میں کچھ علم ہوا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ماذا بلغك عنی یا ابابکر؟

اے ابو بکر میرے بارے میں آپ کو کیا علم ہوا؟

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ!

بلغنی انك جئت الناس بدین جدید

مجھے علم ہوا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے پاس نیا دین لائے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نعم يا ابكر لقد ارسلنی الله إلى الناس لكی آمرهم باخلاص العبادة له، وألهاهم عن عبادة غيره

ہاں، اے ابو بکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں انہیں اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دوں اور اس کے سوا کی عبادت سے منع کروں۔

اللہ اکبر! اس مقام پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تذبذب و تردد کے بغیر بلا تاخیر عرض کیا:

یا رسول الله امدد يدك لكي ابايعك على ما جئت به

اے رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک کو دراز فرمائیں تاکہ جو آپ ﷺ (دین) لائے ہیں میں اس پر آپ ﷺ کی بیعت کر لوں۔ اور گویا ہوئے:

اشهد أن لا اله الا الله وأنك رسول الله

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی معبود برحق نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

ایک مقام پر آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان و مرتبہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

ما دعوت أحدا إلى الإسلام إلا كانت له كبوة، غير ابي بكر فانه لم يتعلم اى ماتردد۔ (تفسیر ابن کثیر، ج:۲، ص:۲۶۶)

میں نے جس کو بھی دعوت اسلام دی اُس نے تردد کیا سوائے ابو بکر بن ابی قحافہ کے۔

محبت رسول ﷺ

اگر محبت رسول ﷺ کی تاریخ لکھی جائے تو اس کا پہلا باب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے رقم ہو گا۔ آپ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے ایک عاشق صادق کی طرح زندگی بسر کی اور یہ ثابت کیا کہ آپ اپنے نبی ﷺ کے سچے عاشق ہیں۔ اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ہمیں ہمیشہ محبت کے راستوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت صف اول میں نمایاں نظر آئے گی۔ عشق رسول ﷺ کے باب میں ان کی سوانح حیات کا ایک ایک ورق، ان کے دن اور ان کی راتوں کا ایک ایک لمحہ کھلی کتاب کی طرح امت مسلمہ کے لیے ہدایت و رشد کا سامان فراہم کرتا ہے۔

اس کی بہترین مثال آپ رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر پیش کی، جب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال و سامان حضور نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں نثار کرکے عملاً یہ بات ثابت فرما دی کہ آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جان و مال حتی کے ہر چیز سے بڑھ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات محبوب ترین ہے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

آپ ﷺ نے ہمیں غزوہ تبوک کے موقع پر صدقہ کا حکم دیا، اس وقت میرے پاس مال بھی بہت زیادہ تھا، میں نے سوچا کہ آج اگر میں ابو بکر سے آگے نکل گیا تو سمجھو کہ میں آگے نکل گیا۔ پس میں اپنا آدھا مال لے آیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ قُلْتُ: مِثْلَهُ.

اے عمر اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کی: اتنا ہی مال اہل وعیال کے لیے چھوڑا ہے (جتنا آپ ﷺ کے پاس لے آیا ہوں)۔ پھر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اور جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ سارا سامان لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ! قَالَ: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللهَ وَرَسُولَهُ. فَقُلْتُ: لَا أُسَابِقُكَ إِلى شيء أبدا.

(مجموع الفتاویٰ، ج:۱۰، ص:۱۷)

اے ابو بکر! اپنے اہل و عیال کے لیے کیا بچایا ہے؟ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اللہ اور رسول ﷺ (یعنی ان کی محبت) ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ پس میں نے کہا: اے ابو بکر! میں آپ سے کسی چیز میں کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

ہجرت مدینہ کے وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محبت رسول ﷺ بھی دیدنی تھی۔ ماہ محرم ۱۳ نبوی کو جب مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکۃ المکرمۃ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف عازم سفر ہو چکے تھے اور کمزور قسم کے لوگ ہی اب مکہ میں بچے تھے۔ یا پھر خاندان رسالت ﷺ اور کچھ افراد بچ گئے تھے۔ ان میں سے جب حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت مدینہ کی اجازت طلب کی، تو آقا کریم ﷺ نے ان کو یہ کہہ کر روک دیا کہ ہو سکتا ہے آپ کو کوئی اچھا ساتھی مل جائے۔ حضرت سیدنا

https://www.minhaj.info/

ابو بکر ؓ نے اشارہ سمجھ لیا۔ اسی لیے آپ ؓ نے اس وقت سے تیاریاں شروع کر دیں۔ دو اچھی سی سواریاں بھی خرید لی اور خوب کھلا پلا کر انہیں فربہ بھی کر لیا۔ بالآخر ماہ صفر کے آخر میں حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی ہجرت کا حکم مل گیا۔

قابل ذکر بات یہ ہے حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ ﷺ صبح یا شام کے اوقات میں اپنے صدیق سے ملاقات کرنے ان کے گھر تشریف لایا کرتے تھے ، مگر آج آپ ﷺ خلافِ معمول تشریف لائے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن آقا کریم ﷺ خلاف معمول، سر پر کپڑا اڈالے ہوئے دوپہر کے وقت تشریف لائے، اور تخلیہ میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے اپنے ارادے کا اظہار فرمایا کہ آج رات ہجرت مدینہ کا سفر ہے اور رفاقت تمہاری ہو گی۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ بے حد خوش تھے۔ کیونکہ آپ ؓ کو سنگت رسول ﷺ میں ہجرت کرنے کا شرف مل رہا تھا۔ یہ آپ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت واعتماد کا اظہار تھا۔

مکہ المعظمہ سے روانگی کے بعد یہ دو نفری قافلہ غار ثور پر پہنچا تو یہاں بھی تین دن حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو تن تنہا حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت کریمانہ حاصل ہوئی اور آپ یہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی توجہات وفیوضات سے خوب بہرہ مند ہوئے۔

سورۃ التوبۃ کی آیت ۴۰ میں اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ ہوا ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

”اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ ان کی مدد فرما چکا ہے جب کافروں نے انہیں (ان کے وطن سے) نکال دیا تھا جبکہ یہ دو میں سے دوسرے تھے، جب دونوں غار میں تھے، جب یہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے غم نہ کرو، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اُس پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور اُن لشکروں کے ساتھ اُس کی مدد فرمائی جو تم نے نہ دیکھے اور اُس نے کافروں کی بات کو نیچے کر دیا اور اللہ کی بات ہی بلند و بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔“

ہجرت مدینہ کے وقت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مخلص صحابہ کرام ؓ کی ایک پوری جماعت موجود تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے وقت رسول اکرم ﷺ کی صحبت میں رہنے کا شرف حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے علاوہ اور کسی کو بھی عطا نہیں فرمایا، یہ تخصیص حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے عظیم مرتبے اور بقیہ صحابہ کرام پر آپ ؓ کی فضیلت اور حضور نبی اکرم ﷺ سے آپ کی والہانہ عقیدت پر دلالت کرتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی حرام کاموں سے اجتناب

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے زمانہ جاہلیت میں بھی حرام کاموں کو اختیار نہ فرمایا۔ آپ ؓ نے شراب، بت پرستی، سود اور وہ تمام رذائل جن سے منع کا حکم اسلام نے دیا ہے، ان تمام سے زمانہ جاہلیت میں بھی اجتناب فرماتے رہے:

ا۔ شراب انسان کی بدترین دشمن ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے اس کو حرام قرار دیا اور لوگوں کو اس سے اجتناب کا حکم فرمایا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ وہ انسانِ عظیم ہیں جن کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ہر مرحلہ میں خیر و حق کی رشد و ہدایت سے مالا مال فرمایا۔ قابل ذکر بات ہے کہ آپ ؓ کے بارے میں یہ بات مشہور و معروف ہے کہ آپ ؓ نے اپنی پوری زندگی میں حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں کبھی شراب نوشی نہیں کی بلکہ آپ اسے رذائل اخلاق اور منافی اخلاق حسنہ جانتے تھے اور اسے ہمیشہ ناپسند فرماتے تھے۔ جب آپ ؓ سے شراب نوشی نہ کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا:

انا انسان أصون عرضی و شارب الخمر لایصون عرضه۔

https://www.minhaj.info/

''میں اپنی عزت و عرض کو محفوظ رکھنے والا انسان ہوں اور شراب نوشی کرنے والا اپنی عزت و عرض کو محفوظ نہیں رکھتا۔''

۲۔ تاریخ گواہ ہے اور کثیر مؤرخین کے اقوال بھی یہ ثابت کرتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر ﵁ اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی بتوں کی عظمت کے قائل نہیں تھے۔ اور نہ ہی بت پرستی کے عمل کو اچھا گردانتے تھے۔ بلکہ آپ ﵁ بتوں کو حقیر جانتے تھے اور بت پرستوں کے اعمال کو بھی غلط قرار دیتے تھے۔ اس عمل سے آپ ﵁ انتہا درجہ کی نفرت کرتے تھے۔ آپ کے بچپن کا ایک واقعہ اس کا بہترین شاہد ہے۔

ایک دفعہ آپ ﵁ کے والد ابو قحافہ آپ ﵁ کو حجرہ اصنام کے سامنے لائے اور یوں کہا:

''یا بنی هذه آلهتك فلتقرب الیها''۔

''اے میرے بیٹے یہ تمہارے معبود ہیں، ان کی قربت حاصل کرو۔''

یہ بات کہہ کر وہ چلے گئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے استہزاءً ان بتوں میں سے بڑے بت کو مخاطب ہو کر چند سوالات کیے اور یوں کہا:

ایها الرب إنی جائع فأطعمنی

اے رب! میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ۔

ایها الرب: إنی عطشان فاسقنی

اے رب! میں پیاسا ہوں مجھے پلاؤ۔

ایها الرب: إنی مریض فاشفنی.

اے رب! میں مریض ہوں مجھے شفا دو۔

جب ان کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا اور نہ ہی آنا تھا تو آپؓ نے ایک پتھر اٹھایا اور اس بڑے بت کے چہرے پر مارا، اور یہ کہہ کر وہاں سے رخصت ہو گئے:

تبالك من الہ حقیر: ''تیرا ستیاناس ہو حقیر معبود''

مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سیدنا صدیق اکبر ﵁ شروع سے ہی صفائے نفس، قلب سلیم اور فکر صحیح و سدید کے مالک انسان تھے۔

مناقب حضرت ابو بکر صدیق ﵁

۱۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صفات مبارکہ میں سے نمایاں صفت یہ ہے کہ آپ ہر اس عمل کو سرانجام دینے میں سبقت فرماتے ہیں جس سے خالق عظیم عزوجل راضی ہوتا ہے۔

۲۔ اسی طرح جس چیز کو رسول محتشم پسند فرماتے ہیں یا جس چیز کی طرف رسول مکرم ﷺ بلاتے ہیں، وہاں سیدنا صدیق اکبرؓ کا مقام یہ ہے کہ آپ تمام عشاقانِ رسول ﷺ میں سے سب سے پہلے موجود ہوتے ہیں۔ بلکہ آپ کا شمار ان عظیم المرتبت ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی زبان ہر لمحہ لبیک یارسول اللہ کی صدا سے تر رہتی ہے۔

۳۔ آپ نیکی کے ہر کام میں سبقت لے جانے کی کوشش فرماتے۔ ایک دن آقا کریم ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد اپنے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استفسار فرمایا کہ آپ میں سے کس نے آج روزے کے ساتھ صبح کی؟ سب صحابہ کرام خاموش رہے لیکن حضرت ابو بکر صدیق ﵁ نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے رات کو روزے کو یاد کیا۔ لہٰذا صبح روزے سے کی۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اے میرے صحابہ آج تم میں سے کس نے صدقہ دیا؟ سب صحابہ خاموش رہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حیاء اور تواضع سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں نے مسجد کے دروازے پر سائل کو دیکھا اور بیٹے کے پاس کچھ کھانا تھا میں نے اس سے لیا اور اس سائل کو دے دیا۔

تیسری مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آج تم میں کس نے مریض کی عیادت کی؟ سب خاموش رہے لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عاجزی اور تواضع سے عرض کیا: مجھے یاد آیا کہ میرا بھائی عبدالرحمن بن عوف بیمار ہے، میں نے نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے مسجد میں آنے سے پہلے اس کی عیادت کی۔

یہ سن کر نبی اکرم ﷺ کا چہرہ انور کھل اُٹھا اور آپ ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر ﷺ کو تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

یا ابابکر انت السابق بالخیرات

(اضواء البیان، ج:۱، ص:۷۱۴)

اے ابو بکر آپ نیکی کے کاموں میں سبقت لینے والے ہیں۔

۴۔ آپ ﷛ کے مناقب میں سے ہے کہ آپ کھانے پینے سے قبل حلال و حرام جاننے کی کوشش کرتے تھے اور اس کھانے کے ذرائع کے بارے میں جاننے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ آپ اس وقت تک کھانا تناول نہ فرماتے تھے جب تک آپ ﷛ کو اس کے مصدر کے بارے میں علم نہ ہو جاتا۔ اسی طرح کوئی مشروب نہیں پیتے تھے، جب تک اس کے حلال ہونے پر اطمینان حاصل نہ کر لیتے تھے۔

ایک دن حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کا خادم آپ ﷛ کے پاس کھانا لایا۔ آپ ﷛ شدید بھوکے تھے پس آپ ﷛ نے خادم سے اس کھانے کے بارے میں دریافت کیے بغیر اسے تناول فرمالیا۔ حالانکہ آپ ﷛ کا معمول مبارک تھا کہ کھانے سے قبل اس کے بارے میں پوچھتے تھے۔ خادم نے عرض کی: میرے آقا! آپ ہمیشہ کھانا تناول کرنے سے قبل پوچھتے تھے، آج آپ ﷛ نے اس کے بارے میں نہیں پوچھا۔ حضرت ابو بکر صدیق ﷛ نے فرمایا: شدت بھوک نے مجھے بھلا دیا تھا۔ پھر آپ ﷛ نے مضطرب و پریشان ہو کر خادم سے پوچھا:

من این أتیت بھذا الطعام یا غلام

اے غلام تو اس کھانے کو کہاں سے لائے ہو؟

اس نے جواب دیا: میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک قوم کے لیے کاہن کا کام کیا۔ جب میں آپ ﷛ کے پاس آرہا تھا تو میری ملاقات ان سے ہوگئی۔ ان کے پاس کچھ کھانا تھا تو اس میں سے انہوں نے مجھے کچھ دیا جس کو میں نے آپ ﷛ کو پیش کیا ہے۔ جب حضرت صدیق اکبر ﷛ کو علم ہوا تو آپ نے کھانے کو قے کر کے نکال دیا۔

آپ ﷛ سے عرض کیا گیا کہ آپ چند لقموں کے لیے قے کر رہے ہیں تو آپ ﷛ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے:

کل لحم نبت من حرام فالنار أولی بہ۔ وأنا اخاف أن ینبت شیء من جسدی من ھذہ الطعام

ہر گوشت جو حرام سے بنتا ہے وہ دوزخ کا زیادہ حقدار ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ اس کھانے سے میرے جسم میں کوئی چیز پیدا ہو۔

۵۔ آپ ﷛ کے مناقب میں ہے کہ آپ رقت، رحمت اور نرمی میں سب سے زیادہ ثابت و قوی دل رکھتے تھے اور مصائب و شدائد کے وقت سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو بعض مسلمان شدید مضطرب ہوئے اور ڈر گئے۔ اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر ﷺ نے ان کی ڈھارس باندھی اور صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا:

أیھا الناس فمن کان یعبد محمدا فإن محمدا قد مات، ومن کان یعبد اللہ فإن اللہ حی لا یموت

اے لوگو! جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، پس محمد ﷺ کا وصال ہو گیا ہے اور جو اللہ کی عبادت کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر: ۳۰)

”(اے حبیبِ مکرّم!) بے شک آپ کو (تو) موت (صرف ذائقہ چکھنے کے لئے) آنی ہے اور وہ یقیناً (دائمی ہلاکت کے لئے) مردہ ہو جائیں گے (پھر دونوں موتوں کا فرق دیکھنے والا ہو گا)۔“

اس طریقے سے آپ نے مسلمانوں کی قیادت کی اور انہیں صحیح اور درست راہ دکھائی۔ حضرت ابو بکر صدیق ﷛ طبعاً منکسر المزاج، نرم خو اور رقیق القلب تھے۔ اخلاق و عادات کے اعتبار سے مکہ کے بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے۔ اسلام کی سربلندی کے لیے جو مؤقف انہوں نے اختیار کیا اور جو بلند پایہ خدمات سر انجام دیں وہ ان کے نام کو ابد الآباد تک یاد رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷛ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ ﷛ کی سیرت طیبہ سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین واللہ اعلم بالصواب۔

❀❀❀❀❀

زوالِ اُمت کا بنیادی سبب

اسلاف کے علمی آثار و نقوش سے بے اعتنائی

ائمہ اسلاف حریتِ فکر کے حامل تھے: فکر انگیز تحریر

میں اپنے قارئین کو اسلام کی ابتدائی صدیوں میں لے جانے کی کوشش کروں گا۔ ذرا اک نظر بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفا و سلاطین اور ان کے وزراء پر ڈالی جائے اور پھر اس دور کے فقہا، متکلمین، محدثین، ائمہ، مجتہدین کو دیکھا جائے کہ وہ کس طرح ان خلفا و سلاطین کے ارد گرد نظر آتے ہیں اور دوسری طرف ادبا، مؤرخین، اطبا، فلکیات، ریاضیات، جغرافیہ، طبیعیات اور دوسرے علوم و فنون کے ماہرین کس طرح ایک دوسرے سے قریب ہیں اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ ہر کوئی اپنے کام میں لگا ہے لیکن جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو جاتا ہے تو اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں ڈال دیتا ہے۔ فقیہ؛ متکلم سے، محدث؛ طبیب سے، مجتہد؛ ریاضی داں اور فلسفی سے مصافحہ کرتا اور گلے ملتا نظر آتا ہے۔ ان میں سے ہر کوئی دوسرے کو اپنا معاون تصور کرتا ہے۔ اس طرح ہمیں نظر آتا ہے کہ ایک خانۂ علم و فکر میں تمام لوگ بحث و مباحثے میں مشغول ہیں۔

کتنا عجیب منظر ہے۔ حافظ السنۃ امام بخاری؛ عمران بن حطان خارجی کی حدیث صحیح بخاری میں شامل کرتے ہیں۔ جماعت معتزلہ کے سر کردہ عمرو بن عبید؛ تابعین میں سے حسن بصری جیسی شخصیت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر رہے ہیں۔ ہم نگاہ اٹھاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ، امام زید بن علی (زیدی شیعہ فرقے کے سربراہ و امام) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر رہے ہیں اور ان سے اصولِ عقائد و فقہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہر شخص کسی مجتہد فیہ اور متنازعہ فیہ مسائل میں دوسرے کی رائے کا احترام کرتا ہے۔ لگتا ہے یہ دونوں ایک ہی گھر سے تعلق رکھتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے، جیسے یہ سارے لوگ ایک صف میں بیٹھے ہوں۔ ان کا رخ مختلف جہتوں میں ہے لیکن ان کا مقصود ایک ہے اور وہ علم ہے۔ ان میں سے ہر ایک اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ایک لمحہ کا علمی تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے۔

خلفاء دین کے ائمہ اور مسائلِ شریعت میں اجتہادی نظر رکھنے والے ہوتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار ہوتی تھی اور ان کے ماتحتوں میں فوج، فقہا، محدثین، متکلمین اور دوسرے ائمہ و مجتہدین ہوتے تھے، جو اہلِ دین کے قائد تھے اور خلفاء کے لشکریوں میں سے تھے۔ مذہب اور عقیدے کو اوج اور برتری حاصل تھی۔ تمام اہلِ علم (جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے) ان کی ماتحتی اور نگرانی میں خیر و سعادت، خوشحالی اور حریتِ فکر کی دولت سے مالا مال نظر آتے ہیں۔ اس رواداری کا تعلق صرف اپنے مذہب کے لوگوں کے ساتھ ہی نہیں تھا، بلکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی یکساں طور پر تھا۔ یہ مسامحت اور رواداری کا حقیقی منظر تھا۔ مذہب؛ حلم اور کریمانہ اوصاف سے متصف نظر آتا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے کہ کس طرح دین؛ جدید

تہذیب کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔ ان علماء اور حکماء سے حریتِ فکر و نظر کا درس لیا جا سکتا ہے اور عقل و وجدان کے درمیان توافق قائم کیا جا سکتا ہے۔

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کے دور میں علم و عقل اور مذہب کے درمیان کوئی ٹکراؤ اور کوئی کشمکش نہیں تھی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ اہلِ علم اور اہلِ دین کے درمیان مختلف امور میں رائے کا اختلاف تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح حریتِ فکر سے متصف افراد، جنھوں نے تقلید کی زنجیروں کو توڑ دیا ہو، ہوتا ہے۔ ان دونوں فریق کے درمیان چشمک نہیں تھی۔۔۔ کوئی ایک دوسرے کو غلط نام نہیں دیتا تھا۔۔۔ چناں چہ نہ کوئی کسی کو زندیق کہتا تھا، نہ کافر اور نہ بدعتی وغیرہ۔۔۔ نہ کوئی کسی پر اس طرح الزام دے کر اسے اذیت دینے کی کوشش کرتا تھا، الاَّ یہ کہ وہ جماعت سے ہی نکل گیا ہو اور امنِ عامّہ کو اس سے خلل پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اگر ایسی صورت ہو تو پھر معاشرے کو اس کے وجود سے اسی طرح صاف کر دینے کی کوشش کی جاتی تھی جس طرح ایک شل عضو کو دوسرے اعضائے بدن کی سلامتی کے لیے کاٹ کر الگ کر دیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی تکفیر و تفسیق کا مرض کب پیدا ہوا؟

مسلمانوں کے اندر دوسروں کو کافر و فاسق اور زندیق و بدعتی کہنے کا مرض کب پیدا ہوا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ مرض ان کے اندر اس وقت پیدا ہونا شروع ہوا جب ان کی دینی حس کمزور ہوتی چلی گئی۔ جب فتنوں نے سر ابھارا اور اہلِ دانش و بصیرت ان کی زد میں آ گئے۔ یہ وہ فتنے تھے جن کو اعدائے اسلام مشرق و مغرب میں اس کے اقتدار و سطوت کو کم کرنے کے لیے اٹھا رہے تھے۔ جب اُن لوگوں نے دین کے معاملات میں اپنی رائے دینی شروع کر دی جو اس کے اہل نہیں تھے۔۔۔ جن کا مزاج دین کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں تھا۔۔۔ جب مسلمان مسیحیت اور دوسرے مذاہب کی تقلید میں ایسی چیزوں کو بھی دین میں بدعت تصور کرنے لگے۔۔۔ جن کو خود مذہب کی تائید و تقویت کے لیے عمل میں لانا مستحسن تھا۔ اس تعلق سے انھوں نے دین کی اصولی تعلیمات اور اسلاف کے اقوال کو پسِ پشت ڈال دیا اور صرف چیخنے اور نعرہ لگانے والے مدعیانِ علم و بصیرت کی باتوں پر یقین کرنے لگے۔

جب مسلمانوں کے معاملات جاہل لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئے اور گمراہوں کو رہنماء کا مقام حاصل ہو گیا تو اس مرحلے میں مسلمانوں کے اندر دین میں غلو کا مرض پیدا ہوا اور مختلف جماعتوں کے درمیان آتشِ عداوت بھڑک اٹھی۔ ان میں سے ہر کسی کے لیے جہالت کی بنیاد پر یہ آسان ہو گیا کہ وہ معمولی بنیادوں پر دوسروں کی تکفیر میں کوئی حرج محسوس نہ کرے۔ جیسے جیسے مسلمانوں میں جہالت کا مرض بڑھتا رہا، دین میں غلو کی کیفیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہ غلو؛ علم اور فکر و نظر میں جو دینِ اسلام کے لوازم ہیں، سرایت کر گیا۔ اس صورتِ حال میں جو چیز واجب اور فرض کے درجے میں تھی اسے ممنوع اور حرام قرار دے دیا گیا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ مسلمانوں میں زندقہ کا لفظ ان کی پڑوسی قوموں کی دین ہے۔ وہ ہرطقہ (heresy) اور ہرطوقی (heretic) کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اگر قارئین یہ سمجھتے ہوں کہ تکفیرِ مسلم کا مظہر مسلمانوں میں دوسری قوموں سے آیا ہے تو وہ غلطی پر نہیں ہیں۔ پھر دوسری قوموں کی خرابیاں جو اس تیزی کے ساتھ مسلمانوں میں در آئی ہیں، اس کی وجہ مسلمانوں میں دینی حس کی کمی نیز دین کے اصول و اقدار سے ناواقفیت ہے۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ جب طبیعت میں کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو جسم میں مرض بہت تیزی سے پھیلتا چلا جاتا ہے۔

جب مسلمانوں میں دین کا علم پایا جاتا تھا تو وہ کائنات پر نظر رکھنے والے تھے اور دنیا کے امام تھے لیکن جب ان کے اندر دین کے تعلق سے جہالت پھیل گئی تو جیسے ان کا وجود ختم ہو کر رہ گیا اور وہ دنیا کے لیے لقمہ تر بن کر رہ گئے۔ ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت صرف اس شکل میں سامنے آئی ہو کہ وہ ان لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں، جو مسائلِ دین میں ان

کے مخالف ہوں یا فلاسفہ کے نظریات کے قائل ہوں یا اسی طرح کی بعض دوسری بنیادیں جن پر وہ دوسروں کی تکفیر کرتے ہوں، بلکہ ان کا جہل انھیں اس حد تک لے گیا کہ ائمہ دین اور کتاب و سنت کے خادمین بھی اس سے محفوظ نہیں رہے۔ چناں چہ امام غزالی کی کتابیں خاص طور پر ”احیاء علوم الدین“ غرناطہ لے جائی گئیں اور انھیں شارعِ عام پر رکھ کر جلا دیا گیا۔ حالاں کہ عرصہ دراز تک اسلامی دنیا ان سے مستفید ہوتی رہی تھی لیکن بربری قوم کے افراد امام غزالی کی تفسیق و تضلیل پر آمادہ ہو گئے۔ ان جاہل لوگوں کی پیروی کرنے والے لوگ پیدا ہوتے رہے، جو علماء و خدّامِ دین کو منہ بھر بھر کر گالیاں دیتے تھے۔ بلاشبہ اس کا گناہ انہی لوگوں کے سر ہے، جنھوں نے اس روایت کی مسلمانوں میں شروعات کی اور ان لوگوں کا گناہ بھی انہی کے سر ہے جو اس شنیع روایت کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔

اسلاف کے علمی آثار و نقوش سے لاپروائی

مسلمانوں نے دین کو پس پشت ڈال دیا اور اقوالِ سلف سے منہ پھیر لیا۔ اکثر اسلامی ممالک میں علومِ دین کے طلبہ کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے۔ وہ علمِ کلام میں متاخرین کی مختصرات سے کام چلاتے ہیں۔ ذہین و فطین طالب علموں کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ محض ان کتابوں کی عبارتوں میں الجھے ہوئے ہیں اور ان کے دلائل کا فہم ان کے بس سے باہر ہے۔ انھیں ان کے دلائل کے مقدمات کی تصحیح اور غلط و صحیح میں تمیز کا شعور نہیں ہے۔۔۔ وہ ان کتابوں کو اس طرح پڑھتے ہیں جیسے وہ خدا یا رسول کا کلام ہو، جس میں کسی بحث و مباحثے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص کے ساتھ کسی مسئلے میں بحث و مباحثہ ہوتا ہے تو وہ اس کے جواب میں بس اتنا ہی کہہ دینا کافی سمجھتا ہے کہ مصنف یا شارح نے ایسا ہی لکھا ہے۔ خواہ مصنف یا شارح کا متعلقہ قول متفق علیہ نہ ہو۔ بلکہ بسا اوقات اس طرح کا قول محض ایک مصنف کی اپنی انفرادی رائے ہوتی ہے اور چاہے اس کا علمی درجہ یہ ہو کہ علمائے اسلاف اسے اپنا شاگرد بنانے پر بھی رضامند نہ ہوں۔

شام، حجاز، تیونس اور الجزائر میں دینی علوم کا بازار سرد پڑا ہوا ہے۔ مغرب اقصیٰ میں اس کی سرگرمی نہایت محدود ہے۔ بس صرف بعض صحرائی ممالک میں کسی قدر اس کا اہتمام پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یا تو طریقۂ تعلیم کی مشکلات ہیں۔۔۔ یا اس میں بڑی مدت صرف ہوتی ہے۔۔۔ یا لوگوں کی اپنی ضروریات اس سے مانع ہیں کہ وہ ایسی چیزوں میں اپنی عمریں گنوائیں جن کا کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔۔۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کے والدین مغربی طرز پر اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ یا ایسے اسکولوں میں انھیں پڑھانا چاہتے ہیں جہاں دینی تعلیم عنقا ہے۔۔۔ یا اگر دینی تعلیم کے نام پر وہاں کچھ ہے بھی تو اس کی حیثیت محض ہاتھی کے دانت کی ہے۔۔۔ یا پھر اس کی وجہ تقلید و جمود کی روش ہے، جس نے ان کی ہمتیں پست کر دی ہیں۔ اس لیے دین سے بے خبری لوگوں میں عام ہے۔ انھیں ہر طرف سے بدعات و خرافات نے گھیر رکھا ہے۔ سلف صالحین سے ان کا رشتہ تقریباً منقطع ہو چکا ہے۔

اسلام کے داعی

یہ سوال اہم ہے کہ کیا مسلمانوں کے درمیان حقیقی اور مخلص داعی ابھر کر سامنے آئے، جو صحیح دین کے واقف کار ہوں کہ مسلمان ان کی بات کو ماننے اور ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں؟ جس طرح یورپ کے ملکوں میں مسیحی مبشرین پیدا ہوئے اور انھوں نے اپنی قوم کے اندر بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی، کیا اس طرح کی کوششیں مسلم ملکوں میں ہو سکیں؟ اس کا جواب ہے: نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مختلف زمانوں میں متفرق طور پر سچے اور مخلص لوگ پیدا ہوتے رہے، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد ایک صدی میں چار پانچ سے زیادہ نہ تھی۔ یہ لوگ اپنے طور پر اللہ کے نام پر کام شروع کر دیتے تھے۔ وہ گفتار کے نہیں بلکہ کردار کے غازی ہوتے تھے۔ پھر لوگ ان کے گرد جمع ہونا شروع ہو جاتے تھے۔ پھر ان لوگوں اور ان کی پیروی کرنے والوں کی دل کی دنیا بدلنی شروع ہو جاتی تھی۔

بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ یہ دعویٰ کیوں کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر علم و دین کے میدان میں کام کرنے والے لوگ کم ہیں، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصر و شام کی فضاؤں میں ان کا غلغلہ نظر آتا ہے؟ ہر شخص ”میرا دین، میری ملت، اسلام، مسلمان، قرآن و سنت، اسلام کی عظمتِ رفتہ، سلفِ صالحین، تعلیم و تعلم، کتب قدیمہ و کتب جدیدہ“ کے الفاظ استعمال کرتا نظر آتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان علم کے داعی اور دین کے خادموں کی کمی نہیں ہے۔ عوام بھی ان لوگوں کی آواز پر کان لگاتے ہیں اور ان کی اتباع کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں سچے اور مخلص لوگ زیادہ نہیں ہیں۔ ان میں مخلصین سے زیادہ تاجرین ہیں جو ان الفاظ و کلمات کی تجارت کرتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنی جیبیں بھر سکیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ ان الفاظ کو دہراتے ضرور ہیں، لیکن ان کے معانی و مطالب اور تقاضوں کی طرف کم ہی ان کی توجہ مبذول ہوتی ہے۔ ایک شخص دوسرے سے اس طرح کے الفاظ اچک لیتا ہے لیکن ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ تاہم ان میں بعض مخلصین بھی ہیں اور وہ صحیح آوازوں پر کان دھرنے اور دین و دنیا کے مصالح کے حصول کی فکر کرنے لگے ہیں۔ ایسے لوگ خاص طور پر ہندوستان میں اور روس کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں لیکن اصلاح کوئی ہوا کی مانند نہیں ہے کہ وہ مشرق سے مغرب تک زمین کو چھوتی چلی جائے۔ اس کے لیے وقت درکار ہے اور ہمیں آنے والے وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔

علومِ دین میں رسوخ سے محرومی کیوں؟

آخر کیا بات ہے کہ مسلمان علومِ دین میں رسوخ پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔۔۔؟ اسی طرح آخر کیا وجہ ہے کہ وہ تکوینِ ثروت اور کسبِ مال کے فن اور قوت و عزت کے حصول میں دوسری قوموں کے مقابلے میں پیچھے ہیں۔۔۔؟ میں اس حوالے سے یہ کہوں گا کہ انھوں نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ اسے جہاں چاہے، لے جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیاداری کے دلدل میں ان کے پاؤں دھنسے ہوئے ہیں۔ پھر عجیب بات ہے کہ نہ تو صحیح طور پر انھیں دنیا حاصل ہو پائی ہے اور نہ ہی دین۔

میں ایسے شخص سے کہنا چاہوں گا کہ مقلد اس شخص سے جس کی وہ تقلید کرتا ہے، ہمیشہ زیادہ بدترین حالت میں ہوتا ہے۔ تقلید کرنے والا اس شخص یا قوم کی جس کی وہ تقلید کر رہا ہوتا ہے، اس کے صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اور اس کے باطن اور اس کی خفیہ صلاحیتوں کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس لیے مسلمان ان لوگوں یا قوموں کے مقابلے میں جن کی تقلید کے مرض میں وہ مبتلا ہیں، زیادہ المناک اور تاسف انگیز حالت میں پہنچ گئے۔ تقلید کی بنیاد پر انھوں نے مزید ایسی چیزیں دین کے اندر داخل کر دیں جن کا دین متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس طرح وہ ایک طرح کے گردابِ شر میں پھنس کر رہ گئے۔ وہ ایک جہت میں کوشش کرتے ہیں، انھیں ناکامی ہاتھ آتی ہے تو پھر اسے چھوڑ کر دوسری جہت میں کوششیں کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس میں تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اخیر میں ان کے لیے یہ چیلنج ہوتا ہے کہ یا تو وہ صحیح راستے پر گامزن ہوں یا خود کو موت کے حوالے کر دیں۔

جب مسلمانوں میں علم و فکر کی قوت زندہ تھی تو ان کے پاس دو آنکھیں ہوا کرتی تھیں: ایک آنکھ سے وہ دنیا کو اور دوسری آنکھ سے آخرت کو دیکھتے تھے لیکن جب انھوں نے دوسری قوموں کی تقلید شروع کی تو انھوں نے اپنی ایک آنکھ بند لی اور دوسری آنکھ کو باہر کے خس و خاشاک سے بھر لیا۔ اس طرح ان کے دونوں مقصود ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اب جب تک وہ بند آنکھ کو نہ کھولیں اور گرد سے اٹی آنکھ کو صاف نہ کریں، اس وقت تک وہ اپنے مقصود کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکتے۔

(ماخوذ از: اسلام دین العلم والمدنیۃ، مفتی محمد عبدہ)

https://www.minhaj.info/

نظامِ تعلیم میں زوال پذیر اخلاقی اقدار

تعلیمی ادارے علم فروش مراکز بن گئے

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے

حیدر مصباحی

تعلیم بچے کو صرف علوم وفنون سکھانے، معلومات کی نقل وترسیل اور کام کرنے کی صلاحیت سے لیس کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایسا آلہ ہے جس سے آدمی کو تراش کر انسان بنایا جاتا ہے ۔یہ بات بڑے بڑے مفکرین کی ان تعریفات سے واضح ہے جو انہوں نے پیش کی ہیں۔ تعلیم کے لیے انگریزی لفظ Education لاطینی زبان کے لفظ Educatum سے بناہے، جس کا لغوی معنی ہی تربیت کرنا، پروان چڑھانا، نشوونما کرنا ہے۔

سرسید نے تعلیم کی تعریف یوں کی ہے:

”انسان کو تعلیم دینا، ان خفیہ صلاحیتوں کو باہر لانا ہے جو خدائے وحدہ لاشریک نے آدمی کے اندر ودیعت کی ہیں، انہیں تحریک دے کر ان میں زندگی کی روح پھونک دینا تاکہ وہ پھل پھول سکیں ،یہی دراصل تعلیم ہے“۔ (: Sir Syed Ahman Khan On Education، ڈاکٹر علی احمد، صفحہ:۵۷)

شاید موت کے بعد تعلیم کی اہمیت ایسی دوسری چیز ہے جس پر پورے عالمِ انسانیت کا اس قدر اتفاق ہے کہ ہر کوئی اسے مانتاہے، خواہ وہ اس سے وابستہ ہو یانہ ہو۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں اس کی اہمیت تو اور دوچند ہو گئی ہے۔ اسلام نے چودہ سو سال پہلے تعلیم کو جو مقام دیا تھا وہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ حصولِ علم کی راہ پر چلنے کو جنت کے راستے پر گامزن ہونے سے تعبیر کرتا ہے اور عابد پر صاحبِ علم کی فضیلت کو ایسے قرار دیتا ہے جیسے چودھویں کے چاند کی برتری دوسرے ستاروں پر ہو۔

جوں جوں گلوبلائزیشن کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے، علمِ اخلاقیات کی اہمیت بڑھتی چلی جارہی ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ جس تیزی سے دنیاترقی کے نت نئے مراحل طے کررہی ہے، انسان کائنات کو مسخر کررہاہے، اسی حساب سے اس کے راستے میں مسائل ومصائب جنم لے رہے ہیں۔ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ انٹرنیٹ کی دریافت سے پہلے سائبر کرائم نام کی کوئی چیز نہیں تھی مگر اب یہ ایک حقیقت ہے جس کی لپیٹ میں چھوٹے بڑے سب آرہے ہیں۔ اس لیے آج منظم زندگی کا کوئی ایساحصہ نہیں جس کے متعلق اصول وضوابط مدون نہ ہوئے ہوں جو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ کیاروا ہے اور کیاناروا؟ درحقیقت کسی بھی شعبۂ حیات کے یہی وہ قواعد ہیں جو اس کی اخلاقیات کہلاتے ہیں۔

جب معاملہ ایساہے تو پھر تعلیم جیسا اہم اور قابلِ قدر شعبہ بھلا اخلاقیات کے احاطے سے کیوں کر باہر رہ سکتا ہے؟

اخلاقیات اور اخلاقی برتاؤ کا تعلق ہر شخص سے ہے، جب تک ہر بندہ یہ محسوس نہ کرلے کہ اس کی پسند وناپسند دوسروں کو متاثر کرسکتی ہے، تب تک مبنی برانصاف کسی بھی انتظامی، غیر انتظامی ادارے کا خواب واقعی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پائے گا، چہ

جائے کہ کسی عمدہ تعلیمی نظام کا قیام۔ یہاں اس کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ صحیح معنوں میں بااخلاق انسان کی پہچان یہ ہے کہ وہ درست کام ہر حال میں کرتا ہے، یہاں تک کہ جب کوئی اسے نہ دیکھ رہا ہو تب بھی۔

اخلاقیات، قیادت و سیادت کی اساس ہے۔ اس کے زوال سے اچھے قائدین اور عمدہ قائدانہ خصائل میں بھی کمی آتی ہے۔ احترام، خیال، اعتماد اور شفافیت اخلاقیات کی اساس ہیں، ان کے بغیر ایک لیڈر کے اندر اعلیٰ معیار پیدا نہیں ہو سکتا۔

تعلیم اور اخلاقیات کی تین جہات

آج کے ترقی یافتہ دور میں ہی نہیں بلکہ جب سے تعلیم و تعلّم کا باضابطہ سلسلہ شروع ہوا ہے، تب سے تعلیمی اداروں میں تین قسم کے رشتے رہے ہیں:

۱۔ معلم اور طالب علم (مجموعی رشتہ)

۲۔ معلم اور طالب علم (انفرادی رشتہ)

۳۔ طالب علم اور طالب علم (باہمی رشتہ)

ذیل میں اِن تینوں جہات کے حوالے سے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں زوال پذیر اخلاقی اقدار کی وجوہات کو جاننے کی کوشش کی جارہی ہے:

۱۔ معلم اور طالبِ علم (مجموعی رشتہ)

اس تلخ حقیقت سے آنکھ نہیں چرائی جاسکتی کہ ماضی میں جتنا یہ رشتہ پاکیزہ تھا، اب اتنا نہیں رہا بلکہ کچھ حد تک گدلا ہو گیا ہے۔ اپنے پن کا جو احساس استاذ اور شاگرد کے درمیان ہوا کرتا تھا، وہ کہیں نہ کہیں کمزور ہوتا جارہا ہے۔ تدریس جیسے مقدس عمل پر بھی پیشہ ورانہ رخ اس قدر غالب آچکا ہے کہ جہاں ایک طرف طالب علم یہ سمجھتا ہے کہ استاذ پڑھا کر اس پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ وہ تو اپنا پیشہ ورانہ فرائض نبھاتا ہے، اس لیے اس کی تعظیم بجالانا کوئی ضروری امر نہیں، وہیں دوسری جانب استاذ یہ سوچتا ہے کہ مجھے پیسے پڑھانے کے ملتے ہیں، کسی دوسرے کام کے نہیں۔ طلبہ باہر کیا کرتے ہیں، اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔

اس طرزِ فکر سے تعلیم بالکل تجارت بن کر رہ گئی ہے۔ جس طرح ایک سامان فروش کو اسی وقت تک اپنے گاہک سے سروکار رہتا ہے، جب تک وہ اس کی دکان میں ہے، باہر اس کے خیر و شر سے وہ کوئی مطلب نہیں رکھتا۔ اسی طرح استاذ اور شاگرد کا ربط و ضبط بھی اسی وقت تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، جب تک وہ دونوں کلاس روم میں ہیں۔ یہ رشتہ کلاس روم میں کسی نہ کسی طرح قائم رہتا ہے، تاہم جونہی دونوں باہر نکلتے ہیں تو ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جاتے ہیں۔ یہ سوچ تدریس کی روح کے منافی اور سراسر ظلم ہے۔

اساتذہ کے احترام سے طلبہ اتنے دور ہوگئے ہیں کہ ان کے آنے پر وہ کھڑے ہونا تک گوارا نہیں کرتے۔ یہ صورتِ حال ہمارے اسلامی اور نظریاتی پس منظر میں اور زیادہ تشویش ناک اس لیے ہو جاتی ہے کہ اسلامی تہذیب میں تو استاذ کے مقام کی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہے:

من علمنی حرفا فقد صیرنی عبدا۔ فان شاء اعتق وان شاء باع۔

”جس نے مجھے ایک حرف سکھادیا، اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا۔ اب اس پر ہے کہ اگر چاہے تو آزاد کردے اور چاہے تو بیچ دے“۔

سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک تعارف معلم کے طور پر کرواتے ہوئے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ (ابن ماجہ، ۱:۱۵۰، حدیث:۲۲۹)

”مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے“۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ سیرت کی کتابوں سے واضح ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس حد تک تعظیم کرتے تھے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر کتنی شفقت فرماتے۔

اساتذہ سے تلامذہ کی بے زاری کا حال تو یہ ہے کہ خود راقم نے مشاہدہ کیا کہ یونی ورسٹیوں میں بعض لڑکے اپنے اساتذہ کے نام تک سے واقف نہیں ہوتے۔ کچھ حضرات اسے مغرب کے سر ڈال کر اپنی ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ منظر نامہ مغربی تہذیب کے اثرات کا شاخسانہ ہے لیکن تب میرا

https://www.minhaj.info/

سوال یہ ہے کہ صرف منفی پہلوؤں تک ہی اس تمدن کا اثر کیوں محدود رہا؟ مثبت گوشوں پر کیوں نہیں پڑا؟ ان کے کلاس رومز جس طرح Practice and application based ہوتے ہیں ،ہمارے کیوں نہیں؟ وہاں جس طرح صحت مند مباحثے ہوتے ہیں ،یہاں کیوں نہیں؟

ان سب حالات کی ذمہ داری صرف طلبہ کے سر ڈالنا بڑی بے ایمانی ہوگی، اس لیے کہ اساتذہ بھی بہت حد تک اس کے ذمہ دار ہیں۔ اگر اساتذہ اپنے پیشے کے تئیں مخلص ہوں اور محنت ومشقت سے اپنا کام کرنے لگیں تو ہو سکتا ہے کہ انہیں اپنا کھویا ہوا وقار واپس مل جائے۔ نوبل انعام یافتہ ہندوستانی شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے کہا ہے:

”ایک استاذ صحیح معنوں میں اس وقت تک تعلیم نہیں دے سکتا جب تک وہ خود سیکھ نہیں رہا ہو۔ کوئی چراغ دوسرے چراغ کو اس وقت تک روشن نہیں کر سکتا، جب تک وہ اپنے فتیلے کو نہ جلائے“۔

آج کے مقابلہ جاتی دور میں امتحانات میں اچھے نمبرز کی اپنی اہمیت ہے۔ بہت سے مواقع پر قابل اور لائق امیدوار بھی انٹرویو کی دوڑ سے صرف اس لیے باہر نکل جاتا ہے کہ کسی سند یا ڈگری میں اس کا مطلوبہ فیصد نہیں ہوتا۔ کچھ نا اہل اساتذہ اس کا ناروا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس طالب علم سے ان کے نجی تعلقات کسی بھی وجہ سے استوار نہ ہوں، وہ اس طرح کے موقعوں کی تاک میں لگے رہتے ہیں اور پھر کاپی ہاتھ آتے ہی کم نمبر دے کر اپنے غصے کی تسکین کا جھوٹا سامان کرتے ہیں۔ ایسے حضرات اساتذہ کے نام پر کلنک ہیں۔ اس رویے کی خباثت اس جہت سے بھی ظاہر ہے کہ ہم ایک جمہوری ملک میں سانس لے رہے ہیں، جس کے بہت سارے اصولوں میں ایک اہم اصول مساوات بھی ہے (برائے نام ہی سہی)، اس لیے معلم کے لیے ہر ایک شاگرد کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا ضروری ہے اور کسی بھی بنیاد پر تفریق بالکل روا نہیں۔

۲۔ معلم اور طالبِ علم (انفرادی رشتہ)

نظامِ تعلیم میں زوال پذیر اخلاقی اقدار کی وجوہات جاننے کے لیے استاد اور شاگرد کا انفرادی رشتہ بھی نہایت قابلِ غور ہے۔ آج اسپیشلائزیشن اور تخصص کا دور ہے۔ وہ وقت گیا جب ایک ہی شخص مختلف فنون میں اس درجہ مہارتِ تامہ رکھتا تھا کہ لوگ اس کا پتہ لگانے سے قاصر رہتے کہ یہ کس میں زیادہ قابل ہے اور کس میں کم؟ آج اس قحط الرجال والے زمانے میں اگر کوئی ایک ہی میدان میں کمال حاصل کرلے تو بہت ہے۔ ایسے ماحول میں استاذ کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ نہ صرف کلاس پر من حیث المجموع نظر رکھے، بلکہ انفرادی طریقے پر ہر طالب علم پر اس کی توجہ ہو۔ وہ اس کی دل چسپی اور قابلیت سے اچھی طرح واقف ہو اور پھر اس کو صحیح سمت دینے اور اس کے فروغ کے لیے صرف رہنمائی پر اکتفانہ کرے بلکہ اس میں حتی المقدور اپنا کردار ادا کرے۔

اس حوالے سے یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کسی طالب علم سے خونی، علاقائی یا اور کسی قسم کی رشتے داری کے سبب اگر استاذ اسے دوسروں پر فوقیت دیتا ہے، موقع بے موقع اس کی تعریف کے پل باندھ کر بلا وجہ اسے کلاس کا اسٹار بنانے (بلکہ دکھانے) کی کوشش کرتا ہے تو یہ بھی غلط رویہ ہے۔ رشتے، ناطے سب باہر کی چیزیں ہیں۔ اسکول، کالج کے صحن میں داخل ہوتے ہی استاذ کو چاہیے کہ ہر ایک شاگرد کو ایک نظر سے دیکھے، کیونکہ کسی ایک کو بلا ضرورت اور نامعقول زیادہ اہمیت ملنے سے دوسرے بچوں پر اس کا منفی اثر پڑتا ہے اور تو اور خود ایسے استاذ کی شخصیت بری طرح مجروح ہوتی ہے اور جس کا اثر نہ صرف پوری کلاس بلکہ تدریس پر بھی مرتب ہوتا ہے۔

۳۔ طالبِ علم اور طالبِ علم (باہمی رشتہ)

نظامِ تعلیم میں اخلاقی اقدار کی بحالی کے لیے طالبِ علم اور طالبِ علم کے باہمی رشتہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ باہمی

رشتہ تو سوشل میڈیا کے اس دور میں بہت پیچیدہ ہو گیا ہے۔ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ فیس بک، واٹس ایپ، ٹیلی گرام اور سماجی رابطے کی دوسری سائٹس پر کلاس فیلوز خوب باتیں کرتے ہیں اور دوستی نبھاتے ہیں، مگر افسوس یہی دوست جب ایک چھت کے نیچے ایک کلاس روم میں بیٹھتے ہیں تو اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ آپس میں کوئی بات چیت نہیں، بلکہ کبھی کبھار تو اس طرح برتاؤ کرتے ہیں جیسے ان کے مابین شناسائی تک نہیں۔ اس طرح کا ماحول تعلیم کے حق میں نہیں ہے۔ اس لیے کلاس میٹس کے درمیان "ورچوئل" کی بجائے حقیقی دوستی بڑھانے کی کوشش ہونی چاہیے۔

وہی دوست جو مذکورہ سائٹس پر ہر طرح کی بات کرتے ہیں، خوشی، غم میں برابر کی شرکت کا دعوی کرتے نہیں تھکتے لیکن جب بات کسی مضمون کے مواد اور نوٹس شیئر کرنے کی آتی ہے تو سب ایسے خاموش ہو جاتے ہیں جیسے سانپ نے سونگھ لیا ہو۔ یہ بات اخلاقی لحاظ سے انتہائی قبیح ہے کہ ایک شخص کے ساتھ آپ ہر طرح کی بات کریں (ورچوئل دنیا ہی میں سہی)، لیکن جس چیز کی اسے سب سے زیادہ ضرورت ہے، اسے دینے سے کترائیں۔

چند اور قابل توجہ اہم پہلو

معلم اور طالبِ علم کے تعلق کی بنیادی جہات کو جاننے کے بعد آیئے چند اور پہلوؤں سے اسی موضوع کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

ا۔ والدین کا غیر مناسب رویہ

زندگی کی ریس میں ہر کوئی اپنے بچے کو آگے بڑھتا دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ خواہش فی نفسہ کچھ قبیح نہیں بلکہ بہت محمود اور قابلِ ستائش ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنی اس چاہت کی تکمیل کے لیے روا ناروا ہر طرح کی چیزیں کر گزرے، تب آپ کیا کہیں گے؟ یقیناً یہ آرزو بری ہے کہ یہ ارتکاب قبیح کا سبب ہے۔

یہ بات کسی مفروضے پر مبنی نہیں بلکہ حقیقتِ واقعہ ہے، بارہا یہ سننے دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ اپنی اولاد کے اچھے نمبر کے لیے ان کے اسائنمنٹس خود تیار کرتے ہیں۔ ایسے حضرات ذرا نہیں سوچتے کہ وہ ان کے ساتھ کتنا برا کر رہے ہیں۔ گو اس سے وقتی منفعت مل جائے (دو چار نمبر بڑھ سکتے ہیں)، مگر کیا اس طرح تعلیم کا اصل مقصد تکمیل آشنا ہو پائے گا؟

۲۔ انٹرنیٹ کا مفید استعمال

انٹرنیٹ کی اہمیت اور ہمہ گیریت سے آج کسی کو مجالِ انکار نہیں۔ وہ زیادہ کامیاب ہے، جو اس کا زیادہ مثبت استعمال کر رہا ہے اور ٹھیک اسی طرح وہ زیادہ خسارے میں ہے جو اس کا زیادہ منفی اور لایعنی استعمال کر رہا ہے۔ افسوس! آج ہمارے سکول، کالج اور یونیورسٹی سطح تک طلبہ الا ماشاء اللہ اس کا مثبت استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم نے اس ٹول کو اپنے علم، تحقیق، فن اور ہنر کی ترقی کے لیے اتنا استعمال نہیں کیا جتنا ہم نے اسے لایعنی اور بے مقصد گپ شپ کا ذریعہ بنادیا۔ آج انٹرنیٹ کے مثبت استعمال فراہم کیے جانے کی اشد ضرورت ہے۔

۳۔ نصاب میں اخلاقیات کی شمولیت

مادہ پرستی اور حیا باختگی کے طوفانِ بلاخیز پر بند باندھنے کے لیے کالجز اور یونی ورسٹیز کے نصاب میں اخلاقیات کی تعلیم ہر طالب علم (خواہ وہ کسی ڈسپلین سے تعلق رکھتا ہو) کے لیے لازمی قرار دی جائے۔ یہ صحیح ہے کہ صرف اس سے اس سیلاب کا رخ نہیں موڑا جا سکتا، تاہم اتنی امید ضرور ہے کہ اس کے بہاؤ کو کم کرنے میں اس سے ضرور مدد ملے گی۔ اس حوالے سے بہتر ہو گا کہ ہر تعلیمی ادارے کا اپنا نظامِ اخلاق ہو جس سے نہ صرف داخلے کے وقت ہی ہر طالب علم کو آگاہ کیا جائے بلکہ تحریری ضمانت بھی لی جائے۔ اسی طرح تقرر کے وقت ہر استاذ کو بھی اس اخلاقی لائحہ عمل کی پاسداری کا پابند بنایا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ اس طرح کی چیز عملاً نہ سہی، رسماً ہر ادارے میں ہوتی ہیں لیکن اخلاقیات کی رو بہ زوال حالت تعلیمی اداروں میں نظامِ اخلاق پر سختی سے عمل درآمد کی متقاضی ہے۔

❊❊❊❊❊

تحقیق اور فنِ تحریر کے بنیادی اصول

پریس ریلیز جدید صحافت کا ایک اہم اور موثر ذریعہ اظہار ہے

سوشل میڈیا نے ہر شخص کو لکھنے اور بولنے کی تحریک دی ہے، تربیتی ورکشاپ

نور اللہ صدیقی

سوشل میڈیا کے وجود میں آنے کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ سوچنے، بولنے اور لکھنے کا آرزومند رہتا ہے۔ سوشل میڈیا دو دھاری تلوار کی طرح ہے۔ آپ تھوڑے سے وقت میں بلا معاوضہ اپنا مافی الضمیر بیان کر لیتے ہیں اور غلطی کی صورت میں یا درست تفہیم نہ کر سکنے کی صورت میں اپنی شخصیت اور ساکھ کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اگر آپ کسی تحریک یا جماعت کے ترجمان ہیں تو پھر لکھتے اور بولتے وقت آپ کی ذمہ داریاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اس اعتبار سے ایک یگانہ روزگار ہیں کہ وہ ہر وقت اپنے ورکرز کو تعلیم و تربیت کے ساتھ جڑے رہنے کی نہ صرف تلقین فرماتے ہیں بلکہ تعلیم و تربیت کے ضمن میں منہاج القرآن کے ہر شعبہ کی حیثیت ایک تربیت گاہ کی سی ہے۔ اس کے علاوہ بھی دعوت و تربیت کے شعبہ جات قائم کئے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر کارکنوں کی تربیت کرتے ہیں۔

منہاج القرآن کے تنظیمی و تحریکی کلچر کا یہ امتیاز بھی ہے کہ یہاں سرگرمیوں کے دوران بھی تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور تحریک سے وابستہ ذمہ داران، رفقائے کار اپنے تنظیمی ماحول اور مصروفیات سے روزانہ کی بنیاد پر کچھ نہ کچھ سیکھتے رہتے ہیں۔ گزشتہ ہفتہ منہاج القرآن ویمن لیگ کی طرف سے مجھے ایک موضوع دیا گیا کہ آپ اپنی تحقیق کو کس طرح مشتہر کر سکتے ہیں اور دوم یہ کہ پریس ریلیز تیار کرتے وقت کن بنیادی امور کا خیال رکھا جانا چاہیے۔ ان موضوعات پر گفتگو کرنے کا موقع ملا جو من و عن ماہنامہ منہاج القرآن کے قارئین کے مطالعہ کے لئے بھی پیش خدمت ہے:

مشاہدات سے استفادہ کی روایت

منہاج القرآن کے تنظیمی ماحول کے اندر ایک دوسرے کے مشاہدات اور تجربات سے استفادہ کرنے کی ایک مضبوط اور پختہ روایت قائم ہے۔ بلاشبہ علم و عمل اور سیکھنے، سکھانے کی اس روایت کو شیخ الاسلام نے بہ نفس نفیس قائم کیا اور یہ سلسلہ 4 دہائیوں سے جاری و ساری ہے۔ اللہ رب العزت علمی اقدار کے اس نظم کو ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید پختہ اور شستہ بنائے۔ اسی علمی و تحقیقی کلچر کی وجہ سے تحریک منہاج القرآن سے وابستہ افراد ہمہ وقت مذہبی، سماجی، معاشرتی امور و معاملات میں ہمیشہ اپ ٹو ڈیٹ رہتے ہیں۔ تحرک ہی اس تحریک کا طرہ امتیاز ہے۔ تحریک کی فکر اور نظریات آبِ رواں کی طرح ہیں۔ جب پانی ٹھہر جاتا ہے تو وہ تعفن زدہ ہو جاتا ہے۔ جمود اور تجدید ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

تجسس سے تحقیق کا دروازہ کھلتا ہے

جب کوئی انسان کوئی نظریہ قائم کرتا ہے یا اس کے ذہن میں کچھ سوالات جنم لیتے ہیں تو وہ جوابات تلاش کرتا ہے۔ ذہن کے کینوس پر ابھرنے والے سوالات سے تجسس اور تحقیق کے

https://www.minhaj.info/

دروازے کھلتے ہیں اور پھر اسی تجسس کے نتیجے میں جو معلومات مہیا ہوتی ہیں، انسان انہیں ضبط تحریر میں لاتا ہے یا بیان کرتا ہے۔ تحریر اور تحقیق کی بہت ساری جہتیں ہیں۔ کچھ جہتیں ایسی ہیں جن سے انسان کا زندگی میں شاید ایک بار ہی واسطہ پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کسی اعلیٰ تعلیم یا ڈگری کا حصول چاہتے ہیں اور آپ کو کسی خاص موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھنے کی اسائمنٹ دی گئی ہے، اس مقالہ کی تکمیل تک آپ جو کچھ بھی پڑھتے ہیں یا لکھتے ہیں وہ تحقیق ہے اور اسائمنٹ کی تکمیل پر آپ کا یہ تحقیقی کام اختتام پذیر ہو جاتا ہے اور پھر عملی زندگی میں شاید دوبارہ آپ کو تحقیق کی اس مشق سے گزرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

البتہ گفتگو میں حوالہ کے طور پر اس تحقیق کے پسندیدہ حصے دہراتے رہتے ہیں اور پھر ایک وقت آتا ہے آپ کی تحقیق اپنا اثر یا حالات و واقعات سے مطابقت کھو دیتی ہے۔ البتہ تحقیق کے اسلوب اور اس کے اصول آپ کو زندگی بھر راہنمائی مہیا کرتے رہتے ہیں۔ عملی زندگی میں آپ ہمیشہ راہنما اصولوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ اگر آپ کی زندگی سے مطالعہ، تحقیق اور راہنما اصول محو ہو جائیں تو آپ بتدریج "بلینک" ہو جاتے ہیں۔ آپ کا مشاہدہ اور گفتگو گہرائی سے عاری ہو جاتی ہے اور اس میں اثر نہیں رہتا اور پھر گفتگو میں تسلسل اور گہرا مشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے آپ اپنے مخاطب کی توجہ سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اور یوں آپ کا جو حلقہ اثر ہے وہ بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ محدود سے محدود تر ہوتا چلا جاتا ہے چونکہ تحرک کو ثبات ہے اسی موضوع کو حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے: "ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں"۔

کیا ہم نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ تیسری اور چوتھی نسل کی فکری اعتبار سے توجہ کا مرکز ہیں اور ان کے خطابات سماعت کرنے والے اور تربیتی نشستوں میں شریک ہونے والوں میں اکثریت نوجوانوں کی ہوتی ہے اور یہ تعداد ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور جن افراد نے آپ سے نظریاتی اور فکری تعلق استوار کیا، وہ کئی دہائیاں گزر جانے کے باوجود نہ صرف قائم و دائم ہیں بلکہ مضبوط اور پختہ بھی ہیں۔ اس کا آسان اور سادہ سا جواب یہ ہے جسے حکیم الامت نے انتہائی دل پذیر انداز میں بیان فرمایا ہے:

"ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن"

حدیث رسول ﷺ کے مصداق مومن کا آنے والا کل، گزرے ہوئے کل سے بہتر ہونا چاہیے یعنی جب آپ دوسروں کو دعوتی مساعی اور فکر کے اظہار کے لئے مخاطب کرتے ہیں تو آپ کے پاس دینے کے لئے کچھ نیا ہونا چاہیے۔ وقت اور الفاظ کے ضیاع سے بچنا چاہیے۔ جب آپ کی مجلس سے کوئی اٹھ کر جائے تو وہ علم و عمل کے اعتبار سے خود کو پہلے سے بہتر محسوس کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مبلغ، استاد، عالم، موٹیویشنل سپیکر گہرا مطالعہ کرے اور اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کرے۔ اگر ہم اس ساری گفتگو کو ایک فقرے یا پیرائے میں بیان کریں تو وہ اس طرح سے ہو گا کہ تحقیق اور مطالعہ سے کبھی لاتعلق نہ رہیں۔ مطالعہ اور تحقیق سے شعور اور فکر و نظر کو جلا ملتی ہے۔

علمی و فکری رسوخ

جب آپ علم و تحقیق کے نتیجے میں فکری رسوخ حاصل کر لیتے ہیں تو پھر آپ کی زبان اور قلم جاری ہو جاتا ہے۔ پھر بات سے بات، نقطے سے نقطہ، رمز سے رمز نکلتی ہے اور سننے والے کی سماعتوں کو سیراب کرتی چلی جاتی ہے۔ اگر ہم شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے چار دہائیاں قبل کئے جانے والے خطابات سماعت کریں تو آنکھ جھپکنا قدرتی ضرورت نہ ہو تو لوگ کبھی آنکھ نہ جھپکیں۔ چار دہائیاں قبل کئے جانے والے خطابات بھی حالات حاضرہ اور قلبی احوال کی من و عن ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ فصاحت و بلاغت قدرت کا انعام بھی ہے مگر اس نعمت کو چار چاند شب و روز کے مطالعہ اور تحقیق و تالیف سے لگتے ہیں۔ گہرے مطالعے والی شخصیت کی زبان سے کوئی بے ربط لفظ نہیں نکلتا۔

ابلاغ کے آسان ذرائع اور موئثر استعمال

اب سوال آ گیا ابلاغ کا کہ آپ اپنے کام کی تشہیر کیسے کریں؟ فکری پختگی حاصل ہونے کے بعد فی زمانہ بہت سارے میڈیم وجود میں آ چکے ہیں جن کو بروئے کار لا کر آپ موثر ابلاغ

https://www.minhaj.info/

کر سکتے ہیں۔ ان میں سر فہرست سوشل میڈیا ہے۔ آپ فیس بک پر کسی ایک موضوع کو منتخب کر کے گویا ہو سکتے ہیں۔ یہ جملہ زبان زدعام ہے کہ اب کسی کے پاس لمبی لمبی تحریریں پڑھنے کا وقت نہیں ہے لیکن جب ہم کسی سیٹلائٹ چینل کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ہمارے ہاتھ کا ریموٹ مسلسل چل رہا ہوتا ہے تو کہیں نہ کہیں ہم ضرور ٹھہرتے ہیں اور کہیں نہ کہیں ٹھہر کر ہم تادیر کچھ دیکھتے اور سنتے بھی ہیں۔ جو ہماری توجہ حاصل کر لے وہی Quality Content ہوتا ہے۔ اگر ہماری تحریر میں جان ہو گی تو لوگ ضرور رکیں گے اور اسے پڑھیں گے۔ فیس بک کے علاوہ آپ مختلف مجلات، اخبارات کے ادارتی صفحات کے لئے بھی لکھ سکتے ہیں۔ ہر بڑے، چھوٹے اخبار کے ایڈیٹوریل پیج پر ایڈیٹر کی ڈاک کا ایک پورشن ہوتا ہے۔ آپ وہیں سے ای میل نمبر لے کر اپنی نگارشات اس اخبار کو بھجوا سکتے ہیں، آپ کا کوالٹی Quality Content ضرور جگہ بنائے گا۔ مطالعہ کے علاوہ اچھی تحریر کا تعلق مشق سے بھی ہے۔ جب آپ لکھنے کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں تو پھر الفاظ آپ کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے نظر آتے ہیں پھر بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے مضمون اور کالم کا پیٹ بھر جاتا ہے یعنی کہ مطالعہ، تحقیق اور مشق مافی الضمیر کو بیان کرنے کے حوالے سے پہلی زینہ ہے۔

پریس ریلیز کی اہمیت اور طریقہ تحریر

پریس ریلیز مافی الضمیر بیان کرنے کا ایک آسان اور انتہائی موثر ترین ذریعہ اظہار ہے۔ صحافتی زبان میں اسے ہینڈ آوٹ بھی کہتے ہیں۔ پریس ریلیز حالات حاضرہ سے متعلق کسی ایک موقف پر ضبط تحریر میں لائی جاتی ہے۔ بسا اوقات اہم اجلاسوں، سیمینارز، سمپوزیم اور ورکشاپس کی مختصر روداد بھی پریس ریلیز کے قالب میں ڈھل جاتی ہے۔ یعنی بڑے سے بڑے اجلاس کی مختصر روداد کے لئے پریس ریلیز ایک آسان اور سہل ذریعہ اظہار ہے۔ پریس ریلیز صحافت کی ایک ایسی صنف ہے جس کا استعمال ہر تحریک، جماعت، سرکاری و غیر سرکاری ادارہ، انسٹی ٹیوشن، کاروباری تنظیمیں، مذہبی تحریکیں روزانہ کی بنیاد پر بروئے کار لاتی ہیں۔

مختصر الفاظ میں مکمل پیغام پریس ریلیز کہلاتا ہے۔

پریس ریلیز تیار کرنا ایک علم نہیں، ایک فن اور مہارت ہے۔ اس مہارت کے ذریعے آپ گھنٹوں پر محیط اجلاسوں کی کارروائی کو ایک صفحہ پر اتارتے ہیں اور اپنا موقف بیان کرتے ہیں۔ آپ پریس ریلیز کو جتنا طویل کرتے چلے جائیں گے، آپ اخبارات کے سب ایڈیٹرز کے کام کو اتنا ہی مشکل بناتے چلے جائیں گے اور آپ اپنے اجلاس اور مؤقف کے نفس مضمون کو نقصان پہنچاتے چلے جائیں گے۔ اس لئے پریس ریلیز کو انتہائی مختصر اور جامع بنائیں۔ غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب کریں کیونکہ اخبارات کے صفحات پر شائع ہونے والی خبریں محدود تعداد میں ہوتی ہیں۔ اخبار نے آپ کے موقف کو اپنے صفحہ پر موجود سپیس کے مطابق شائع کرنا ہے اس لئے کوشش کریں کہ پریس ریلیز کی ابتدائی چند لائنوں میں اپنا پورا موقف بیان کر دیں۔ اگر پریس ریلیز کا کوئی حصہ ایڈیٹنگ میں آکر کٹ جائے تو پھر بھی آپ کا کور میسج شائع ہونا چاہیے۔

پریس ریلیز تیار کرتے وقت 5 باتوں کا خیال رکھا جائے:

نمبر 1: Subject :یعنی آپ کس موضوع پر بات کر رہے ہیں اس میں مکمل کلیرٹی ہونی چاہیے۔

نمبر2: Message : آپ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

نمبر 3 :Objective : آپ پیغام دے کر حاصل کیا کرنا چاہتے ہیں یعنی اس پریس ریلیز کے ذریعے آپ کون سا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، یہ Define ہونا چاہیے۔

نمبر4: Audience : پریس ریلیز تیار کرتے وقت آپ کو اپنے مخاطبین کے مزاج اور تعلیمی سطح کا علم ہونا چاہیے۔ آپ مشکل اردو یا مشکل انگریزی زبان استعمال کر کے اپنی Audience سے فاصلے پر چلے جائیں گے چونکہ تھوڑے سے الفاظ کے ساتھ آپ نے مکمل موقف پیش کرنا ہے اس لئے اس کے لئے آسان اور عام فہم زبان استعمال کرنا ہو گی۔

نمبر Content5 : یعنی انداز تحریر۔ پریس ریلیز کی زبان اور دیگر صفحات کے Content میں تفریق لازم ہے۔ جب آپ کسی اخبار کے لئے آرٹیکل لکھیں گے تو اس کے لئے زبان

https://www.minhaj.info/

کا انتہائی شستہ ہونا ضروری ہے اور آرٹیکل لکھتے ہوئے آپ کو عامیانہ الفاظ سے اجتناب کرنا ہوگا مگر جب آپ پریس ریلیز لکھ رہے ہوں گے تو زبان آسان فہم استعمال کرنا ہوگی چونکہ پریس ریلیز کے پڑھنے والوں میں خواندہ اور نیم خواندہ سبھی شامل ہوتے ہیں۔

پریس ریلیز تیار کرنے کی مشق

(1)"منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیراہتمام 39ویں عالمی میلاد کانفرنس 26 اکتوبر کو ہوگی (2) عالمی میلاد کانفرنس مینار پاکستان لاہور کے سبزہ زار میں ہوگی (3) عالمی میلاد کانفرنس میں مختلف مکتب فکر کے جید علماء، سماجی و کاروباری شخصیات بڑی تعداد میں شرکت کریں گی (4) کانفرنس میں بچوں، خواتین کی ایک بڑی تعداد بھی شریک ہوگی (5) خواتین اور بچوں کے بیٹھنے کا الگ انتظام کیا گیا ہے۔ (6) عالمی میلاد کانفرنس سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری خصوصی خطاب کریں گے۔ (7) عشق مصطفی ﷺ کے فروغ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے حبی و قلبی تعلق کو مستحکم بنانے کے لئے اس ایمان افروز کانفرنس میں شرکت کریں۔"

اس پریس ریلیز کا پہلا فقرہ سبجیکٹ ہے یعنی ہمارا موضوع کیا ہے عالمی میلاد کانفرنس۔ اب عالمی میلاد کانفرنس کے مقام کا تعین کر کے پڑھنے والوں کے لئے آسانی پیدا کی گئی ہے۔ سیاسی جماعتیں مذہبی و سماجی تحریکیں عموماً ایسے مقام کا انتخاب کرتی ہیں جس تک پہنچنا عامۃ الناس کے لئے آسان ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا حصہ میسج ہے کہ اس میں بھرپور شرکت کریں کیونکہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری خطاب کر رہے ہیں اور اس کے مخاطب Audience مذہبی لوگ ہیں تو اس کے لئے عشق مصطفی ﷺ، قلبی و حبی تعلق کے الفاظ مذہبی لوگوں کے لئے باعث کشش ہوں گے۔

پریس ریلیز کے 3 اہم نکات

پریس ریلیز کو بھی ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے: اس کا پہلا حصہ ہیڈ لائن پر مشتمل ہوگا یعنی ہیڈ لائن میں نفس مضمون سمونا ہی اصل مہارت اور کامیابی ہے جیسا کہ پریس ریلیز میں ہم نے پہلا جملہ لکھا "منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیراہتمام 39ویں عالمی میلاد کانفرنس 8 اکتوبر کو ہوگی" اب اس ایک ہیڈ لائن میں ہم نے اپنا مقصد بیان کر دیا۔ دوسرا حصہ ہیڈ لائن سے قدرے طویل ہوگا۔ دوسرے حصے میں ہم لکھیں گے۔ "کانفرنس مینار پاکستان ہوگی اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری خصوصی خطاب کریں گے۔" عملاً ہم نے اپنی غرض و غایت بیان کر دی، اس کے بعد مختصر تفصیل کا آغاز ہوگا: "خواتین اور بچوں کے لئے بیٹھنے کا الگ انتظام ہوگا، مختلف اہم شخصیات شرکت کریں گی، اپنے ایمان کی مضبوطی کے لئے اس کانفرنس میں شرکت کریں۔" اب یہ تفصیل ہے۔ اگر کوئی سب ایڈیٹر اپنے صفحے پر کم گنجائش کے باعث تفصیل کاٹ بھی دے تو پھر بھی ہمارا کور میسج ابتدائی تین، چار لائنوں میں جا چکا ہے۔ تو حاصل کلام اختصار ہے۔

درج بالا بحث میں عملی مشاہدات پر بحث کی گئی ہے اگرچہ خبر کے اجزاء اس کی ترکیب اور انداز تحریر کے حوالے سے ٹیکسٹ بک میں مختلف انداز میں تکنیکی مواد دستیاب ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ فنی و تکنیکی بحث اتنی طوالت اختیار کر لیتی ہے کہ خبر کی آسان تیاری کا طریقہ کار مسئلہ بن جاتا ہے۔

تحریر و تقریر کی اخلاقیات

تحریر ہو یا تقریر اس کے اخلاقی پہلوئوں کو ملحوظ خاطر رکھنے کے لئے سورۃ الحجرات سے استفادہ ناگزیر ہے۔ سورۃ الحجرات میں اظہار بیان اور تحریر و تقریر کے ابدی اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہم ان راہ نما اصولوں سے نہیں ہٹ سکتے۔ سورۃ الحجرات میں اللہ رب العزت نے بڑی فصاحت اور صراحت کے ساتھ فرما دیا ہے کہ سنی سنائی بات کو آگے مت پھیلاؤ، صلح کروانے والے بنو، لڑائی کروانے والے نہ بنو، تمہاری غیر تصدیق شدہ اطلاع سے کوئی قوم کسی قوم کو نقصان نہ پہنچا دے، کسی کے الٹے سیدھے نام مت رکھو، خواہ مخواہ جاسوسی نہ کرو یعنی چادر اور چار دیواری میں دخل مت دو، الزام تراشی، غیبت سے اجتناب کرو۔ اللہ رب العزت ہمیں ایک سچا اور اچھا انسان اور مسلمان بننے کی توفیق دے۔

❀❀❀❀❀

https://www.minhaj.info/

حقیقتِ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

(شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی مایہ ناز تصنیف کا ایک تعارف)

(محمد فاروق رانا۔ ڈائریکٹر FMRi)

اللہ رب العزت کے محبوب نبی خیر البشر، خیر الخلائق، ہادیِ برحق اور معلمِ انسانیت حضور نبی اکرم ﷺ علم اور اَخلاق حسنہ کے سب سے اعلیٰ مقام پر جلوہ افروز تھے، جس کی گواہی اغیار بھی دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے مواعظِ حسنہ اور عملِ کریمانہ کی بدولت زمانۂ نبوت کے صرف تئیس سالوں میں انسانیت کے بنیادی اُصولوں سے نابلد اہلِ عرب کو تہذیب و اَخلاق اور معاشرت کے ایسے بہترین اُصول سکھا دیئے، جس سے وہ دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئے اور جہالت کی ظلمتوں سے اٹا ہوا زمانہ نورِ نبوت کی تابانیوں کے بعد خیر القرون بن گیا۔

آپ ﷺ کے تربیت یافتہ افراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہلائے۔ وہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے بعد جیسے قیامت تک کے لیے نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، بعینہٖ صحابیت کا باب بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ اب قیامت تک آنے والے مردانِ حق دینِ متین کی سربلندی کے لیے خواہ کتنی ہی جدوجہد کر لیں، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا مقام و مرتبہ حاصل کرنا تو درکنار، اُن کی غبارِ راہ تک پہنچنے سے بھی قاصر رہیں گے۔ صحابہ کرام ﷺ علم و حکمت اور دینِ متین کے لیے مینارۂ نور ہیں، جن سے قیامت تک اہلِ حق ہدایت کی تابانیاں حاصل کرتے رہیں گے۔ اِن نفوسِ مقدسہ کے درمیان جو بعض مشاجرات اور اختلافات پیدا ہوئے اُن کی وجہ فقط بشری تقاضے اور بعض وقتی فتنے تھے۔

دَفْعُ الْاِرْتِيَاب فِيْمَا وَقَعَ مِنَ الْمُشَاجَرَةِ بَيْنَ الْأَصْحَابِ (حقیقتِ مُشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم) میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین انہی تنازعات کی حقیقت کو بیان کیا ہے۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے: پہلے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اِن مشاجرات کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبانِ طعن دراز کرنا ہرگز جائز نہیں، اِن معاملات میں اُمت کو معتدل، متوازن اور مناسب رویہ اختیار کرتے ہوئے طعن سے اجتناب کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ دوسرے باب میں احادیث نبوی، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ ائمہ اُصول الدین کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان مشاجرات میں اور بالخصوص سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے باہمی تنازعہ میں امیر المؤمنین چوتھے خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے اور آپ کی خلافت علی منہاج النبوہ قائم تھی۔ کتاب کے آخری باب میں جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے وجوبِ تعظیم اور لعن و طعن کی سخت ممانعت کے حوالے سے احادیث نبویہ اور اَقوالِ ائمہ پیش کیے گئے ہیں۔

الغرض! اس شاہ کار تصنیف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے افراط و تفریط سے بالاتر اور مسلکی وابستگی و تعصب کو پسِ پشت ڈال کر حقائق کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے اِس معاملہ میں اُمت کے عقیدۂ صحیحہ کو واضح کیا ہے۔ اپنے موضوع پر دلائل و براہین کی روشنی میں تحریر کردہ یہ کتاب عظیم کاوش ہے، جسے آنے والے ہر دور میں قدر و اَہمیت کی نظر سے دیکھا جاتا رہے گا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اُمتِ مسلمہ کو افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر اسلام کے حقیقی عقائد و نظریات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

https://www.minhaj.info/

ضروری ہدایات برائے اندرون و بیرون ملک

منہاج القرآن انٹرنیشنل، جملہ فورمز اور بیرون ممالک کی جملہ تنظیمات و عہدیداران، رفقاء اور وابستگان کو مطلع کیا جاتا ہے کہ:

پاکستان یا بیرون ملک، تحریک کے کسی بھی سطح کے موجودہ و سابقہ عہدیداران، رفقاء اور وابستگان، آپس میں کوئی مشترکہ بزنس یا انویسٹمنٹ کرتے ہیں تو یہ خالصتاً ان کا ذاتی بزنس / کنٹریکٹ ہوگا اور اسکے نفع و نقصان اور ہر طرح کے دیگر معاملات کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ تحریک منہاج القرآن ان کے یا کمپنی کے کسی کنٹریکٹ اور اقوال و افعال یا مستقبل میں پیش آنے والے معاملات کی ہرگز ذمہ دار نہ ہوگی۔ فریقین کو اپنے معاملات / تنازعات کی ثالثی کے لیے مرکزی قیادت سے درخواست کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

تجدید و احیائے دین کی عالمگیر تحریک، منہاج القرآن انٹرنیشنل اللہ کے فضل و کرم اور آقائے دو جہاں ﷺ کے قدمین کے طفیل پورے عالم میں فروغ پذیر ہے۔ تعلیمی و فلاحی اور مختلف النوع دیگر پراجیکٹس کا دائرہ تیزی سے پوری دنیا میں پھیل رہا ہے جو یقیناً بارگاہ الوہیت و مصطفویت ﷺ کی خصوصی عطا ہے۔

دنیا بھر میں تحریک کے تعلیمی، فلاحی و رفاہی، ہمہ جہت منصوبوں کی پلاننگ و منظوری، فاؤنڈیشن سے تعمیر و تکمیل، کامیاب آغاز و ترقی، توسیع اور تزئین و آرائش تک کا سارا کام مرکزی سطح پر ایک "نظام العمل" کے تحت کیا جاتا ہے۔ ہر منصوبے کے لیے فنڈز جمع اور خرچ کرنے کا ایک شفاف نظام موجود ہے۔ اس نظام کی خوبصورتی ہے کہ تحریک کے ارفع مقاصد کے حصول کیلئے کل آمدہ وسائل صرف منہاج القرآن کے نام رجسٹرڈ اراضی پر اعلان شدہ منصوبے کے مطابق ہی خرچ کیے جاتے ہیں۔ اندرون اور بیرون ملک جس شہر اور ملک میں پراجیکٹ لانچ کیا جاتا ہے، مرکزی سطح پر اس کیلئے میڈیا کمپین لانچ ہوتی ہے اور مقامی تنظیمات کو فنڈریزنگ کی باقاعدہ اجازت و ہدایات جاری ہوتی ہیں۔

یہاں انتہائی ضروری اطلاع دی جاتی ہے کہ دنیا بھر میں تحریک کے جملہ فورمز کے موجودہ اور سابقہ ہر سطح کے عہدیداران، رفقاء اور وابستگان میں سے کوئی شخص ذاتی حیثیت میں تعلیمی یا فلاحی ادارہ فنڈریزنگ کے ذریعے قائم کرنا چاہے تو یہ قطعاً ایک فرد یا افراد کا پراجیکٹ / ادارہ ہوگا اس کا تعلق کسی بھی سطح پر منہاج القرآن انٹرنیشنل اور اسکی ذیلی تنظیمات اور فورمز سے ہرگز نہ ہوگا۔ منہاج القرآن کے رفقاء / وابستگان میں سے کوئی شخص انفرادی یا اجتماعی سطح پر اس پراجیکٹ کے لئے فنڈز دیتا ہے یا فنڈز دیتے ہیں تو یہ قطعاً ان کا انفرادی فعل ہوگا۔ کسی کے ذاتی پراجیکٹ کی تشہیر، فنڈریزنگ، اخراجات اور انکی شفافیت سمیت کسی بھی مرحلے پر کسی بھی معاملے کی کوئی ذمہ داری منہاج القرآن انٹرنیشنل اور اس کی مرکزی یا کسی بھی سطح کی قیادت، رفیق اور وابستہ پر ہرگز نہیں ہوگی۔

مرکزی سیکرٹریٹ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی طرف سے واضح ہدایات کے باوجود اگر کوئی تحریکی بھائی / بہن اس حوالے سے ابہام محسوس کرے تو بلاتاخیر مرکز سے رابطہ کرکے بروقت راہنمائی لے سکتا ہے۔ اس کا یہ عمل اس کے اور تحریک کے بہترین مفاد میں ہوگا۔

منجانب:

خرم نواز گنڈاپور

ناظم اعلیٰ منہاج القرآن انٹرنیشنل

قائد ڈے نمبر فروری 2023ء

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی 72 ویں سالگرہ کے موقع پر حسبِ روایت امسال بھی ماہنامہ منہاج القرآن قائد ڈے نمبر شائع کرنے کا اعزاز حاصل کررہا ہے۔ یہ شمارہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے فروغ، قومی و بین الاقوامی سطح پر امن و محبت کی ترویج اور بیداریٔ شعور کے لیے کی جانے والی ہمہ جہتی خدمات پر مشتمل ہوگا۔

اس سلسلے میں آپ بھی ماہنامہ منہاج القرآن کو اپنی خصوصی معیاری تحریریں بھجواسکتے ہیں۔

قائد ڈے کے موقع پر آپ کی طرف سے **مبارکبادی پیغامات** کی صورت میں

اشتہارات کی بکنگ بھی جاری ہے۔

آپ اپنی تحریر، مضامین اور اشتہارات سے متعلقہ اشاعتی مواد مورخہ 8 جنوری 2023ء تک ماہنامہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور ارسال کرسکتے ہیں۔

فون 042-111-140-140 Ext-128، mqmujallah@gmail.com

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن کی

سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext:128
0300-8886334 Whatsapp: 03008105740
www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

https://www.minhaj.info/

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی گراں قدر تصانیف

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN JAN-2023
LAHORE
Regd CPL No.41

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری
موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 615 سے زائد کتب دستیاب ہیں